ہندوستان

کی

قدیم اسلامی درسگاہیں

یعنی

اُس سلسلۂ مضامین کا مجموعہ جو رسالہ معارف اعظمگڈھ میں شائع ہُوا
باضافہ عنوانات، مشاہیر علماء ہند، عربی نصاب درس، طریقہ تعلیم
تقسیم جماعات، القاب طلبا، فارسی زبان و فنون کی
تعلیم، ہندو مصنفین کتب اور فارسی
نصاب درس وغیرہ

از

ابوالحسنات ندوی

روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر
میں
باہتمام شیخ عبدالکریم صاحب مینیجر و پرنٹر چھپکر وکیل بُک ڈپو امرتسر سے شائع ہُوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی ہندوستان کی تاریخ کے لئے کتابوں اور ماخذوں کی کمی نہیں۔ تاہم اوّلاً تو اسلئے کہ اس ملک کی آب وہوا میں اس فن کی نشو ونما کی قدرتی صلاحیت نہ تھی۔ اور ثانیاً اس لئے کہ یہاں کا تاریخی مواد یا تو ایرانیوں نے تیار کیا اور یا ہندی نژادوں نے اور دونو تاریخ کے عربی مذاق سے نابلد تھے۔ اِس لئے اسلامی سلطنتوں کی تہذیب وتمدّن کے واقعات بہت کم ترتیب پائے۔ اسی دَوران میں جب کبھی کسی عرب سیّاح کا ادھر گزر ہوا۔ اس نے اپنے ضمنی واقعات کے چند اوراق میں اپنے تاریخی مذاق کے مطابق جو کچھ لکھدیا وُہ ایرانی تحریر کے صدہا اوراق سے زیادہ گراں پایہ ہیں سلیمان بصری، بیرونی، مسعودی، مقدسی، ابن بطوطا وغیرہ نے ہندوستان پر جو چند صفحے اپنے سفرناموں میں لکھدیئے ہیں وُہ اَبتک قابل قدر ہیں۔ مولانا سیّد عبدالحی مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلما) نے اپنی زندگی کے کامل بیس برس اِن واقعات کی تلاش وتحقیق میں بسر کئے تب کہیں جاکر ان کو چند جلدوں کا مسالہ ہاتھ آیا۔ یہ اِسی کا اثر تھا کہ ہندوستان کے مایۂ ناز مؤرّخ حضرت الاستاذ علّامہ شبلی مرحوم نے اپنے مضمون "مدارس اسلامیہ اور گذشتہ تعلیم" میں جہاں دُنیائے اِسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا وہاں خود اپنے مرز وبوم کے طول وعرض میں علم وتعلیم کی کوئی چہار دیواری انکو نظر نہ آئی حالانکہ اِس دیار میں مسلمان

سلاطین اور امرا کی قدردانیوں سے ہر دور میں علما اور ارباب کمال کے جمگھٹے رہے ہیں۔ طلبہ اور متعلّمین جوق کے جوق دیہاتوں سے لیکر شہروں تک پھیلے رہتے تھے۔ مدارس اور درسگاہوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ پنجاب سے لیکر بنگال تک وسیع تھا۔ ابھی حال میں مصر سے "صبح الاعشیٰ" نام ایک کتاب دس بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے جو مختصر پیمانہ پر اپنے عہد کی انسائکلوپیڈیا ہے۔ یہ کتاب اسوقت لکھی گئی ہے جب ہندوستان میں خاندان تغلق سریرآرا تھا۔ ہندوستان کے بیان میں ہندوستان کے سیّاحوں کی زبانی اس کتاب کا مصنّف ناقل ہے کہ "صرف ہند کے پایہ تخت دلّی میں ایک ہزار مدرسے قائم تھے"۔ لیکن کیا ہماری تاریخوں میں ان میں سے چند مدرسوں کے نام بھی مل سکتے ہیں؟

بنابریں اسلامی ہند کے مدارس اور تعلیمگاہوں کی تاریخ ایک مستقل توجّہ کی طالب تھی مدّت سے میرا ارادہ اسکی جمع و ترتیب کا تھا لیکن بیچ میں اور اور کام پیش آتے رہے بالآخر میرے اشارہ اور مشورہ سے برادر عزیز مولوی ابوالحسنات ندوی نے اسکی جمع و ترتیب کا کام شروع کیا اور اسکو کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ ابتداءً یہ رسالہ معارف میں ماہوار کئی مہینوں تک مسلسل شائع ہوا اور اب وہ وکیل کی کوشش سے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کرتا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حوصلہ مند مصنّف کی مساعی جمیلہ میں برکت اور حسن قبول ارزانی فرمائے۔ آمین

دارالمصنفین اعظمگڈھ
۵۔ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

سیّد سلیمان ندوی

فہرست کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمۂ کتاب

ہندوستان کی اسلامی تاریخ جن کثیر و متنوع اجزا پر مشتمل ہے۔ اُنمین تعلیم کا حصہ خاص طور پر عظمت و اہمیت رکھتا ہے بارہوین صدی ہجری کا ہندوستان پانچوین صدی ہجری کے ہندوستان سے جسطرح تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالات مین مختلف ہے بعینہ وہ اپنی دماغی و علمی کیفیات مین بھی اس سے علانیہ جداگانہ ہے۔ یہ اختلاف اور یہ تغیر کیونکر اور کس طرح پیدا ہوا؟ اور اسکی تدریجی و ارتقائی رفتار کیا رہی؟ اسکی تفصیل کا یہ موقع نہین، اور نہ اس کتاب ہی مین (جسکا یہ مقدمہ ہے) اس پر بحث کی گئی ہے البتہ اسکے متعدد اسباب مین سے ایک سبب "تعلیم اور اسکی توسیع و اشاعت"، سے متعلق تاریخی معلومات کا ایک سرسری خاکہ اسمین کھینچا گیا ہے اور اسی مبحث کے متعدد پہلوؤنکو اسمین نمایان کیا گیا ہے،

ایک علمی و تاریخی خطبہ کے طور پر اجلاس ندوۃ العلماء مین پیش کرنے کی ضرورت سے مین نے اسکو اپنا موضوع قرار دیا تھا یہ ایک محدود اور ہنگامی ضرورت تھی۔ کسی مجمع عام کے

روبرو کسی موضوع پر تقریر کرنے کے لیے یہ ضروری نہین کہ اسپر نہایت تفصیلی اور جزوی بحث کیجائے
اسلیے اسکے ہر حصۂ بیان مین اجمال ہی سے کام لیا گیا ہے لیکن ہان چونکہ یہ ایک تاریخی عنوان
تھا اسلیے بیان کا ہر جزو تاریخی حوالون اور معتبر و مستند ماخذون پر مبنی ہے تاہم مزید سعی و
محنت کے بعد جس تفحص و استقصا کے ساتھ اسپر قلم اٹھایا جا سکتا تھا مجھے علانیہ اقرار ہے کہ وہ
اس کتاب مین نہین ہے اور یہ یقینی ہے کہ اس عنوان کے متعلق پیش نظر مواد تاریخی سے
کہین زیادہ معلومات ابھی اور جمع ہو سکتی ہین۔ اسکا یقین اس طرح ہوا کہ قدیم تاریخی کتابونکی
جو تصنیفی نوعیت ہے اور انمین جسطرح کے واقعات کا انبار ہوتا ہے اسکو دیکھکر پہلے پہل اس
عنوان کو ہاتھ لگاتے ہوئے طبیعت جھجکتی تھی لیکن معظم و محترم جناب مولنا سید سلیمان صاحب
ندوی کے اصرار آمیز ارشاد نے مجبور کر دیا اور بالآخر جب مین نے اس مقصد کے لیے صفحات
تاریخ کا مطالعہ شروع کیا تو بحمد اللہ اپنی محنت و جانفشانی بیکار نہ گئی اور تلاش و جستجو کا قدم
جتنا آگے بڑھتا گیا اتنا ہی امید سے کہین زیادہ وسیع اور کشادہ میدان نظر آیا،

سردست چونکہ حصول معلومات کا بہت محدود ذخیرہ پیش نظر تھا۔ اسلیے اس تلاش و سعی
کے نتائج سے جو ناتمام مرقع تیار ہو سکا وہ آیندہ صفحات مین نظر آئیگا۔ اس کتاب کی تالیف
مین جن کتابون سے مدد لی گئی ہے ان کے حوالے اصل کتاب مین موجود ہین نیز اس لیے کہ
وہ عام اور متداول کتابین ہین یہان انکے جداگانہ تذکرہ کی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔
کوئی نایاب و نادر کتاب پیش نظر نہ تھی جسکا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے البتہ قلمی نسخہ
خلاصۃ التواریخ اور ایک انگریزی کتاب PROMOTION OF LEARNING IN INDIA DURING MOHAMMADAN RULE

کا تذکرہ ضروری ہے ان دونون کتابون کے مصنف ہندو ہین اول الذکر عالمگیر کے زمانہ کی تصنیف ہے اور مجھے اسکا قلمی نسخہ کتب خانہ الاصلاح دسنہ (صوبۂ بہار) سے دستیاب ہوا آخر الذکر موجودہ زمانہ کے ایک بنگالی ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہوئی کتاب ہے۔ اسمین مسلمان حکمرانون کی علمی و تعلیمی دلچسپیون، مدارس و مکاتب علماؤ مصنفین اور کتبخانون کا تذکرہ ہے گو مصنف اصل زبان (فارسی) سے ناواقف معلوم ہوتا ہے اور اس نے غیر ذمہ دار اشخاص کی نقل و ترجمہ پر اعتماد کیا ہے اسلیے کہین کہین خامیان سہو و خطا بلکہ غلطیان بھی نظر آتی ہین۔ تاہم عام طور پر کتاب اپنے موضوع مین کامیاب ہے اور مصنف کی محنت و کوشش ہر طرح مستحق تحسین و آفرین۔ اس موقع پر مسلمان انگریزی دان طبقہ سے یہ سوال دلچسپ ہوگا کہ یہ فرض اسکا تھا یا کسی اور کا؟ خدارا وہ انصاف کو پیش نظر رکھکر اسکا جواب دے،

تاریخ کی متداول فارسی کتابین تاریخ ہند کا مکمل مجموعہ نہین ہین انکے علاوہ اور بھی مفید و ضروری کتابین ہین جو اس کتاب کی تالیف و ترتیب کے وقت میسر نہ آسکین اور انکے حصول کے لیے اقطاع ملک کے مختلف مشہور و عام کتبخانون کی سیر، نیز ذاتی کتبخانون تک رسائی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ علاوہ ازین عہد اسلامی مین ہندوستان کی علمی و تعلیمی ترقی کو دکھانے کے لیے بزرگان دین مشائخ کبار اور دیگر علماء و فضلا کی سوانح عمریان نیز انکے ملفوظات و مکتوبات کی ورق گردانی نہایت ضروری ہے یہی چیزیں وہ تاریخی سرمایہ ہین جن کا تفصیلی مطالعہ ہندوستان کی گذشتہ علمی و تعلیمی ترقیون کی تصویر ہماری آنکھون کے سامنے کھینچدیگا۔

لیکن اس موقع پر ایک اور ذخیرۂ معلومات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو اپنی صحت و واقعیت مین تاریخی کتابونکی روایات سے کہین زیادہ بہتر اور عمدہ ہے یعنی مسلمان حکمرانون کے فرامین جو اب تک ہندوستان کے مختلف ہندو مسلمان خاندانون مین محفوظ و موجود ہین - یہ تمام فرمان تاریخ ہند کا ایک گران بہا اور وسیع سرمایہ ہین ان سے ہندوستان کی گذشتہ تاریخ کے مختلف پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے - مجھے یقین کامل ہے کہ انہین جہان اور ضروری باتین ملینگی، وہین اس ملک کے مسلم فرمانروایون نے ملک کی ترقی کے لیے علم و فن کی اشاعت مین جو کوششین کی ہین انکی تصریح و تفصیل بھی ملیگی،

اس کتاب مین "اشاعت تعلیم کے دیگر ذرائع" کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے اسمین اجمالاً اسکی طرف بھی اشارہ ہے پہلے خیال تھا کہ اسکی نسبت کسیقدر تفصیل سے لکھنا چاہیے لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر ایسا نہو سکا ہندوستان کے مسلمان بادشاہون مین بہت کم ایسے گذرے ہین جنھون نے ہندوؤن کے پنڈت، گوشائین یا گرو وغیرہ مذہبی و علمی اشخاص کے لیے وظیفے یا جاگیرین نہ عطا کی ہون - شاہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے مذہبی تعصب کا غلغلہ مصنفین یورپ نے نہایت بلند آہنگی سے اٹھایا اور اپنی تصنیفات مین اسکو بہت کچھ آب و رنگ دیکر بیان کیا ہے - جسکا نمایان اثر یہ ہوا کہ تمام ملک مین نہایت برے خیالات پھیل گئے اور اس نیکدل و رحم پرور بادشاہ کو ظالم سنگر، ہندو کش کے خطابات دیے گئے - اور اب حالت یہ ہے کہ اگر کبھی اسکے قابل قدر اوصاف کی کوئی آواز اٹھائی بھی جاتی ہے تو وہ اس غوغاے عام مین دب کر رہ جاتی ہے

تاہم یہ واقعہ ہے کہ یہ بالکل بانگ ہتی ہے اور جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اسمین اصلیت کا بہت کم حصہ ہے بلکہ اسکے تعصب کے خلاف اسکی رواداری ومسالمت کی شہادتین ملتی ہین۔گوشائین، گرداور پنڈتون کے نام مسلمان فرمانروایون کے متعدد فرامین جنکے ذریعہ سے انکو شاہی عطیے یا جاگیرین یامعافیان دی گیٔین۔میری نظر سے گذرے ہین۔انہین شاہنشاہ عالمگیراورنگ زیب کے فرمان بھی ہین۔غالبًا یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ہندوؤنکے مشہور مقدس مقام بودھ گیا جہان ہندوستان کے مصلح اعظم مہاتما بدھ کو "علم" حاصل ہوا تھا اس عظیم الشان بودھ خانقاہ کے متعلق جوکئی لاکھ کی جائداد وقف ہے وہ تمامتر اسلامی سلاطین کے فیض کرم کا نتیجہ ہے۔اس وسیع جائداد مین بڑا حصہ شاہنشاہ عالمگیر کا عطیہ ہے۔عالمگیر اور دوسرے سلاطین کے فرامین ابتک اس وقف کے متولی خاندان مین محفوظ ہین،

علامۂ شبلی نعمانی رح نے اجلاس ندوۃ العلما منعقدہ بنارس کے موقع پرایک علمی نمائش کی تھی اسمین اس قسم کے متعدد فرامین جمع کئے گئے تھے۔یہ تاریخ ہند کا نہایت مہتم بالشان ذخیرہ ہے اس لیے اسکو پیش نظر رکھے بغیر جو تاریخ ہند مرتب کیجائیگی وہ بڑی حدتک نامکمل ہوگی۔

آخرمیں یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ گو اس کتاب کا ایک بڑا حصہ تقریر کی ضرورت سے یادداشت کے طور پر جمع کیا گیا تھا لیکن چونکہ اس سے وہ کام نہ لیا جاسکا اور بعد میں یہ قرار پایا کہ اس غیر معمولی اور مفید یادداشت کورائگان نہ جانے دیا جائے

بلکہ اسکو ایک مستقل کتاب کی شکل مین جمع کر دینا چاہئیے اسلیے کتابی ترتیب و نظر ثانی کے موقع پر اسمین بہت سے حصے اضافہ کر دیے گئے اور اسکو ایک خطبہ کی صورت سے بدل کر موجودہ تصنیف کے قالب مین ڈھالدیا گیا،

اس موقع پر مخدوم محترم مولٰنا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلمار کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہون کہ جناب ممدوح کے مضمون "ہندوستان کا قدیم نصاب درس" سے بڑی مدد ملی۔ اس کتاب مین جہان پر قدیم درسی کتابونکی فہرست دی گئی ہے، وہ تمامتر اس مضمون سے منقول ہے۔ یہ امر مزید شکریہ کا محرک ہے کہ مولٰنا ممدوح نے میری اجازت طلبی پر نہایت خندہ پیشانی سے اسکے نقل و اخذ کی اجازت دی۔

ابوالحسنات ندوی

دارالمصنفین اعظم گڈھ

۱۸۔جولائی سنہ ۱۹۳۲ء روز دوشنبہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ زمانہ مین ہر قوم اپنی اہمیت کے اثبات اور شاندار مستقبل کی تاسیس کے لیے اپنی گذشتہ تاریخ اور اسلاف کے کارنامون کو دہرا رہی ہے من حیث القوم مسلمانون کی ممتاز حیثیت جو کچھ دنیا مین باقی ہے اس کی بنیاد بھی اسلاف کے شاندار کارنامون ہی پر ہے، وہ جسوقت **عرب** سے نکلے تھے اونکے ایک ہاتھ مین فتح و نصرت کی تلوار اور دوسرے مین علم و فن کا چراغ تھا، جو ملک اونکے زیر نگین آیا وہان انھون نے فضل و کمال کی بزم چراغان برپا کی،

وہ عرب کی مقدس سرزمین سے نکلے اور دنیا کے جنوب و شمال اور مشرق و مغرب مین پھیل گئے، انکا پھیلنا ساری دنیا کے لیے مبارک تھا جہان پہونچے وہان کے زمین و آسمان کو بدل دیا **اندلس** کی سرزمین مین تہذیب و تمدن کی روشنی پھیلائی کہ مغرب کا ظلمتکدہ روشن ہوا، **مصر**، **طرابلس**، **الجزائر**، **مراکش** اور **قیروان** کے افریقی وحشیون کو تعلیم و دیگر فضل و کمال کے معراج پر پہونچا دیا **ایران** کو مشرق مین علوم و فنون کا سرچشمہ بنا دیا اندلس کا اسلامی تمدن، ایران مین **شیراز** و **بغداد** کی اسلامی تعلیم گاہین

آج تک انکی قومی تاریخ کے زرین کارنامے ہین اور ابدالاباد تک رہینگے،

مسلمانون کے علمی کارنامون کو علامۂ شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسائل کے مختلف مضامین میں بتفصیل لکھا ہے، مصر، شام، ایران، روم، خراسان، عراق، اور افریقہ میں مسلمانون نے جتنے تعلیمی مدارس و مکاتب قائم کیے، علامۂ مبرور نے انمین سے اکثر کے نام گنائے اور اُنکے حالات لکھے ہین لیکن خاص سرزمین ہند کی نسبت جو ہمارا وطن ہے، ابتک کچھ نہین لکھا گیا، علامۂ مرحوم ابتداءً ہندوستان مین اسلامی مدارس کے قیام کے قطعی منکر تھے، چنانچہ اپنے رسائل کے مضمون "اسلامی مدارس" مین لکھتے ہین،

ہندوستان کے تذکرے مین ہمکو بےخطر کہنا چاہیے کہ اس سرزمین پر شاید ایک ہی علمی عمارت نہیں قائم ہوئی،

لیکن بعدازین بعض ارباب قلم کے توجہ دلانے پر علامۂ مرحوم نے اپنی اس تحقیق سے رجوع کیا اور اس عبارت پر حاشیہ دیکر طبع ثانی مین یہ الفاظ لکھے،

"مین اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ میری یہ تحقیق صحیح نہین ثابت ہوئی، ہندوستان مین بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے گو اب اُنکا نام و نشان نہیں رہا"

تاہم اس اعتراف سے اصلی عقدہ نہ کُھل سکا، اور اس بحث کی نسبت کوئی تفصیلی علم حاصل نہوا۔ اس لیے بڑی ضرورت تھی کہ اس ضروری مضمون کے متعلق جو کچھ معلومات ہون اُنکو یکجا کردیا جائے،

اجمالی اشارات

اسمین شک نہین کہ یہ مضمون جسقدر اہم ہے، اُسیقدر مشکل اور محنت طلب بھی ہی اولاً اس خاص عنوان کے لیئے فارسی تاریخون میں جو کچھ مواد ہین وہ اسقدر منتشر اور ضمنی ہیں کہ اُنپر بمشکل نگاہ پڑسکتی ہے ثانیاً ان تاریخی کتابونکا طرز تحریر قدیم مذاق تاریخ نویسی کے باعث کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اگر ہم گذشتہ زمانہ کی تمدنی، سیاسی، اور علمی حالات کو اُن مین بسوط و مفصل طور پر تلاش کرنا چاہین تو اس تلاش مین بڑی ناکامی ہوگی، قدیم تاریخین زیادہ تر دراصل بادشاہون کی سوانح عمریان ہین جن مین خصوصیت کے ساتھ انکی فتوحات ملکی اور جنگی کارنامے جو اس زمانہ کے سب سے زیادہ قابل توجہ واقعات تھے تفصیل و بسط کے ساتھ مذکور ہوتے ہین، اس بنا پر تاریخ کے صفحات بھی میدان کارزار بن گئے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ تلوارون کی جھنکار، طبل و بوق کی گونج، اور صف جنگ کے غوغاے رستخیز مین درس و تعلیم کی کمزور آوازین کیونکر سُنائی دے سکتی ہین؟

تاہم اگر تاریخ کے صفحات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو بادشاہونکے حالات زندگی کے ضمن مین دوسری قسم کے واقعات بھی ملجاتے ہین، اگر کوئی شخص محنت اور جستجو سے کام لے تو گذشتہ زمانہ کی سیاست، نظم حکومت، طریق عدل و انصاف، تہذیب و تمدن اور دیگر ضروری حالات کا اندازہ لگانے کے لیے منتشر طور پر اُسکو کافی واقعات ملسکتے ہین، مین اس رسالہ مین اپنی اسی قسم کی تلاش و جستجو کے نتایج پیش کرنا چاہتا ہون جن کا تعلق محض ہندوستان کے علمی و تعلیمی معلومات سے ہے،

اس سے پہلے کہ اصل مضمون پر سلسلۂ سخن شروع کیا جائے، چند ایسے اجمالی امور کی تشریح و توضیح کر دینا مناسب ہے، جن سے یہ معلوم ہو کہ قدیم فارسی تاریخون مین ہندوستان کے گذشتہ مدارس کے متعلق کیون تصریحی ابواب نہین ملتے، نیز وہ عمارات و اماکن کون تھے جن سے تعلیم گاہون کے کام لیے جاتے تھے،

(۱) مسلمان اپنے مذہبی مذاق کی بنا پر ہمیشہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو مذہبی مشغلہ اور کار خیر خیال کرتے رہے ہین، وہ طلبار کی امداد، تعلیم کی اشاعت، کتب و سامانِ درس و تعلیم کا وقف، مدارس کی بنا و تاسیس اور علما، کی خدمت و اعانت وغیرہ کو ایک مذہبی حکم اور برکت و فلاح دارین کا باعث سمجھتے رہے، اس بنا پر یہ چیز بھی اور ضروریات زندگی کی طرح انکی زندگی کا لازمی و ضروری جزو ہو گئی تھی، اور چونکہ ایک شخص کے روزمرہ اعمال زندگی، اسکی تاریخ حیات مین خاص طور پر اہمیت کے ساتھ قابل ذکر نہین سمجھے جاتے بلکہ عام الفاظ مین دوسری ضروریات، زندگی کے ساتھ سرسری طور پر مذکور رہوتے ہین اسلیے قدیم ایام مین مسلمانون نے تعلیمی سلسلہ مین جو کچھ کارہاے نمایان کیے ہین انکو قدیم مورخین مخصوص ابواب و فصول مین نہین بیان کرتے،

(۲) ہر شخص نے فارسی تاریخون مین سلاطین اسلام کے اعمال زندگی مین عموماً یہ الفاظ پڑھے ہون گے،

"در عہد حکومت خود نالاہہا دچاہ باؤلیہا بستند، و در ہر طرف دیگر عمارات وبقاع خیر نیز بنا نہادند"

ایسی عبارتون مین عموماً عمارات و بقاع خیر سے مراد مدرسے، مکتب، مسجدین
اور خانقاہین ہین،

تاریخ مرآت احمدی کا مصنف جو گجرات کا دیوان تھا اس نے جابجا فرامین کی
نقلین درج کی ہین۔ انہین ایک فرمان شاہنشاہ اکبر کا ہے جو تمام صوبون کے لئے
جاری کیا گیا تھا۔ اس فرمان کی دفعہ ۳۰ کا مفہوم حسب ذیل ہے،

جہان تک ممکن ہو دنیا مین علم و ہنر کی اشاعت ہوتی رہے تاکہ اہل کمال دنیا
سے معدوم نہو جائیں۔ اور انکی یادگار صفحۂ ہستی پر باقی رہے،

(۳) جیسا کہ آیندہ تفصیلاً معلوم ہوگا، قدیم زمانہ مین تعلیم کے لیے عموماً علیحدہ عمارتین
نہین ہوتی تھین، زیادہ تر یہ کام مساجد سے لیا جاتا تھا، اس زمانہ کی تمام مسجدین مدارس
کا کام دیتی تھین، اسیلیے ہر قدیم وسیع مسجد ایک بڑی درسگاہ تھی یہی سبب ہے کہ
ہندوستان کے قدیم اسلامی شہرون مین قدم قدم پر تمکو وسیع و شاندار مسجدین ملین گی،
دلّی، آگرہ، لاہور، جونپور، احمد آباد، گجرات، وغیرہ قدیم اسلامی دارالسلطنتون
مین جو عظیم الشان مسجدین تعمیر ہوئی تھیں اور جو ابتک باقی ہین، اُنکی ہئیت کذائی
صاف بتاتی ہے کہ اُنکا بڑا حصہ تعلیم گاہ ہونکے کام مین آتا تھا، ان مسجدون مین ابتک
تمکو صحن کے چارون طرف چھوٹے چھوٹے حجرون کا وسیع سلسلہ نظر آئیگا، یہ درحقیقت
طلبہ اور مدرسین کے رہنے کے مقامات تھے، اور انہین سے بعض اب تک اسی کام
مین ہین، مثلاً دہلی کی مسجد فتحپوری و اکبر آبادی جو ۱۰۶۰ھ مین تیار ہوئین، انکے

وسیع صحن کے گرداگرد جو کمرے بنوائے گئے وہ مخصوص طور پر طلبا، کی اقامت گاہ تھے انہین سے اول الذکر آج تک اسی کام مین ہے، اور وہان سے طلبار علوم عربیہ کی ایک بڑی جماعت آج بھی فیضیاب ہو رہی ہے،

(۴) قدیم خانقاہین بھی عموماً تعلیم گاہون کے مصرف مین آتی تھین، متصوفین اور گوشہ نشین مشائخ زمانہ اسوقت صرف مجاہدۂ نفس و وظائف ہی کو عبادت نہین سمجھتے تھے، بلکہ وہ شریعت و طریقت اور ظاہر و باطن دونون کی تعلیم و تدریس کو اپنا حقیقی نصب العین خیال کرتے تھے، اسی وجہ سے قدیم مشائخ و بزرگان دین کے حالات مین درس تدریس کا شغل عموماً نظر آتا ہے، ہر خانقاہ مین تشنہ لبان تصوف و علوم باطن کی طرح طالبین علوم ظاہر کی جماعت کثیر بھی پائی جاتی تھی، خانقاہون کے لیے حکومت کی طرف سے جو عطیے یا شخصی اوقاف ہوتے تھے، اُن کا بڑا حصہ طلبا پر صرف ہوتا تھا، اس بنا پر قدیم خانقاہون کو بھی مدارس و مکاتب کے سلسلہ مین شمار کرنا چاہیے،

(۵) سلاطین اور بزرگان کرام کی قبر دنپر جو مقبرے اور روضے تعمیر ہوتے تھے، انکے ساتھ اردگرد بہت سے حجرے اور کمرے اسی غرض سے تعمیر ہوتے تھے کہ وہ مدرسونکے کام مین آئین، چنانچہ مقبرۂ علاءالدین خلجی اور مقبرۂ ہمایونی وغیرہ کا ذکر آگے آتا ہے، اسوقت بھی جو قدیم مقبرے دلّی، آگرہ، احمد آباد، بیجاپور، وغیرہ مین قائم ہین، انکی ہیئت خود اُنکی تاریخ کو بتا رہی ہے،

ان اجمالی اشارات کے بعد ان مخصوص عمارتون کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اس سلسلہ سے الگ خاص مدارس کے نام سے تعمیر ہوئین، نیز اس سلسلہ مین ضمناً ہندوستان کے مختلف علمی قصبات و دیہات کا تذکرہ ناگزیر ہے جس سے قدیم طرز تعلیم وطریق اشاعت علم وفن پر مزید روشنی پڑے گی، اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ گذشتہ زمانہ مین تعلیم گاہ کا مفہوم کسقدر وسیع تھا، یہ معلومات مختلف موضوع کی (مثلاً تاریخ، تذکرہ، ملفوظات ومکتوبات وغیرہ) کتابون کے منتشر و پراگندہ بیانات سے فراہم کیے گئے ہین،

ہندوستان مین مسلمانون کی آمد

گو ہندوستان مین مسلمانون کا داخلہ پہلی صدی ہجری کے آخر مین ہوا لیکن یہ داخلہ پورے ملک ہند پر موثر نہ تھا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ظلمت کدۂ ہند کے بعض اطراف مین نور اسلام کی شعاعین اسی زمانہ مین پڑین، لیکن صحیح معنےمین اسلامی حکومت کے قدم سرزمین ہند مین سلطان محمود غزنوی کی مجاہدانہ مساعی کی بدولت جمے، اور اسلیے اسی وقت سے اسلامی حکومت کا آغاز سمجھنا چاہیے سلطان محمود کی توجہ فتح ہند کی طرف ۳۹۰ھ سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستان کا بیشتر مغربی حصہ اسلامی پرچم کے نیچے آگیا، اسلامی فتوحات کی یہ عام خصوصیت ہے کہ پہلے بے شبہہ تیغ وتبر سے کام لینے والی فوجین بڑھتی ہین، لیکن فتح کے بعد وہ تلوار ہمیشہ اُنکے ہاتھون مین نہین رہتی، بلکہ امن وامان قائم ہوتے ہی ان کے

ہاتھوں میں کتاب و قلم نظر آتے ہیں، اور اپنے رشحات فیض سے وہ سارے ملک میں علم و فضل کا دریا بہا دیتے ہیں،

اولوالعزم سلطان محمود کا دارالسلطنت غزنی تھا، ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کا طرز حکومت موجودہ زمانہ کی صوبجاتی حکومت کے اصول پر تھا، جہاں اسکے اُمرا جنکو اس زمانہ کے لفٹنٹ گورنر کہیے نظم و نسق کرتے تھے، اس قدیم زمانہ کی نسبت اگرچہ تصریح کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اسوقت ہندوستان کی تعلیم کے لیے اسلامی حکومت نے کیا انتظام کیا تھا، تاہم اتنا معلوم ہے کہ سلطان محمود علم دوست اور علما پرست بادشاہ تھا، اسکا دربار علمار، حکمار اور شعرار کا مرجع و ماوی تھا، اسکو اپنے حدود حکومت میں مدارس و مساجد قائم کرنے کا بیحد شوق تھا، ۴۰۹ھ کے بعد جب سلطان محمود فتح قنوج سے کامیاب غزنی واپس آیا ہے تو اس نے وہاں جامع مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھی، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"سلطان چون فتح فیروزی این سفر مراجعت نمود، فرمود، تا در غزنی مسجد جامع بنیاد نہادند داصل عمارت مسجد از سنگ مرمر و رخام مربع و مسدس و مثمن و مدور برآوردند بطرزیکہ بینندگان از متانت و طراحی آن متحیر شدند و بعد از اتمام عمارت بموجب حکم بنوعے آنرا بانواع زینت و فروش و قنادیل مزین ساختند کہ ظرفاے وقت آن مسجد را عروس فلک می گفتند، و در جوار آن مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ دہات بسیار

بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود" (فرشتہ جلد اول حالات محمود غزنوی)

بادشاہ کا یہ مذاق دیکھ کر اس کے امرا و اعیان دولت بھی اس کی پیروی کرتے تھے، جس کی بدولت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسکے حدود حکومت مین تعلیم کی کتنی گرم بازاری ہو گی، چنانچہ بیان اسبق سے متصل قاسم فرشتہ لکھتا ہے،

"بمقتضاے الناس علی دین ملوکھم ہر یکے از امرا و اعیان دولت

بہ بناے مسجد و مدارس و رباطات و خوانق مبادرت نمودند"

پس ایسے عہد حکومت مین یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہندوستان تعلیمی ذرائع و اسباب سے خالی ہو گا، بادل جب برستا ہے تو دشت و چمن دونونکو یکسان سیراب کرتا ہے،

مین اس سے ایک اور نتیجہ تک پہونچنا چاہتا ہون وہ یہ کہ یہان اسلامی عہد حکومت مین جیسا کہ تفصیلاً آگے معلوم ہو گا، مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا، میرے خیال مین اسکا ذریعہ بھی عہد محمودی ہی تھا، یعنے سلطان محمود اور اس کے اُمرا کے توسط سے ابتداءً یہ طریقہ ہندوستان مین داخل ہوا اور بعد کو رفتہ رفتہ عام طور پر رواج پا گیا، کیونکہ دیگر کتب تاریخ اور خود فرشتہ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستان سے باہر تمام اسلامی ممالک مین یہی طریقہ رائج تھا

سلطان محمود کے بعد اسکا دوسرا لڑکا شہاب الدین مسعود تخت نشین حکومت ہوا، یہ علمار کا مربی اور علم پرور بادشاہ تھا، اسکی علمی فیاضیان بہت بڑھی ہوئی تھین، اکثر علمار نے اسکے نام سے کتابین لکھین، قاضی ابومحمد ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب فقہ احناف مین لکھی اور اسکے نام سے منسوب کی، ابوریحان خوارزمی منجم جو ریاضیات مین بے نظیر تھا، اُس نے قانون مسعودی لکھکر جو انعام پایا اُسکے متعلق فرشتہ لکھتا ہے،

"ابوریحان خوارزمی منجم کہ علامۂ وقت بود در ریاضیات نظیرے نداشت،
قانون مسعودی در علم ریاضی بنام اُو نوشت وفیلے از نقرہ صلہ یافت"

اس نے اپنے حدود حکومت مین بکثرت مدارس قائم کیے فرشتہ لکھتا ہے،

"دراوائل سلطنت اُو در ممالک محروسہ چندان مدارس ومساجد بنیاد نہادند کہ زبان از تعداد آن عاجز وقاصر است"

پورے پونے دوسو برس کی حکومت کے بعد خسرو ملک بن خسروشاہ غزنوی کی شکست پر جو اسکو ۵۸۲ھ مین بمقام لاہور امیر شہاب الدین محمد غوری کے مقابلہ مین نصیب ہوئی، حکومت ہند خاندانِ غزنوی سے خاندان غوری مین منتقل ہوگئی،

مدارس اجمیر

۵۸۹ھ مین شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر کو فتح کیا ہے مصنف تاج المآثر[1]

[1] یہ ہندوستان کی سب سے قدیم فارسی تاریخ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتبخانہ آصفیہ مین ہے،

(حسن نظامی نیشاپوری) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر مین متعدد مدرسے قائم کیے ان مدارس کی تاریخ بنا صحیح طور پر متعین نہین ہے، لیکن سنہ مذکور کے بعد قریب ہی قریب مین ہوگی، اس بنا پر یہ مدرسے ہندوستان کے قدیم ترین اسلامی مدارس ہین،

مدارس دہلی

اسوقت تک ہندوستان کے شاہنشاہی تعلقات غزنی کے ساتھ تھے، شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ مین لاہور کے بجاے دہلی کو ہند کا دار السلطنت قرار دیا، قطب الدین کا جانشین شمس الدین التمش ۶۰۷ھ مین تخت نشین ہوا، اس بادشاہ نے خاص دار السلطنت دہلی مین متعدد مدارس قائم کیے، گو تعین و یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا لیکن قرینہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دہلی کا مشہور و معروف مدرسۂ معزی اسی علم پرور بادشاہ کے عہد حکومت کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی شمس الدین التمش نے اپنے ایام امارت مین ایک مسجد اور اسکے متصل مُعزّی نامی مدرسہ قائم کیا تھا، قرینہ یہ ہے کہ اُس نے یہ مدارس اپنے آقاے ولی نعمت شہاب الدین غوری "جسکا اصلی نام معز الدین محمد غوری ہے" کے نام پر قائم کیے تھے، سلطانہ رضیہ بنت شمس الدین التمش کے عہد حکومت مین جب قرامطہ نے دہلی پر یورش کی تھی تو حسب بیان مصنف طبقات ناصری وہ اس مدرسہ کے قریب تک گھس آئے تھے، یہ زمانہ ۶۳۵ھ کا تھا، مدرسہ معزی دہلی کے ایک

مدرس مولنا بدرالدین اسحاق بخاری تھے جو معقول و منقول مین اپنے وقت کے سرآمد روزگار رہتے،

اسی عہد مین دہلی مین ایک اور عظیم الشان مدرسہ کا پتہ چلتا ہے، جس کا نام مدرسہ ناصریہ تھا، یہ مدرسہ ناصرالدنیا والدین شہزادہ محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے نام پر قائم کیا گیا، طبقات ناصری کے مصنف سراج الدین عفیف اس مدرسہ کے مہتمم اور نگران تھے، جیسا کہ وہ لکھتے ہین،

"در ماہ شعبان سنہ خمس و ثلثین وستمائہ سلطانہ رضیہ مدرسہ ناصریہ در حضرت منضم باقضاے کالیور بدین داعی مفوض فرمود صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ"

مدرسہ مقبرۂ علاءالدین خلجی، یہ مدرسہ مسجد قوۃ الاسلام اور قطب صاحب کی لاٹ کے متصل واقع تھا سنہ ۷۱۵ھ مین علاءالدین خلجی کا انتقال ہوا، اس کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے تقریبًا سنہ ۷۱۷ھ مین یہ مقبرہ بنوایا مقبرہ مدرسہ اور مسجد سب کی مرمت فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت مین کی، صندل کے جیر کھٹ چڑھائے، صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ یہ مدرسہ کب قائم ہوا، اگر قطب الدین مبارک شاہ نے مقبرہ علائی کے ساتھ بنوایا تو اسکا سنہ بنا سنہ ۷۱۷ھ ہوگا، اور اگر مسجد قوۃ الاسلام کے ساتھ اسکی بنیاد پڑی تو سنہ ۵۸۷ھ تاریخ بنا ہوگی، کیونکہ اسی سال قطب الدین ایبک نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی تھی، پھر سنہ ۶۲۷ھ مین سلطان

لہ فتوحات فیروز شاہی:

شمس الدین التمش نے بھی اس مسجد پر تین تین محرابون کا اضافہ کیا، اور اصل لاٹ پر بھی پانچ درجے زیادہ کیے، ممکن ہے کہ مدرسہ کی بنیاد اسی سلسلہ تعمیرات مین پڑی ہو، اسلیے ٹھیک تاریخ بنا نہین بتائی جاسکتی، میرے خیال مین دوم اور سوم عہد کو ترجیح ہے، عہد اول (زمانہ قطب الدین مبارک شاہ) مین صرف مقبرہ کی تعمیر ہوئی،

سلطان محمد تغلق نے جب نئی دہلی یعنے خرم آباد کو آباد کیا ہے تو قلعہ خرم آباد مین مسجد و مدرسہ کی تعمیر بھی عمل مین آئی۔ بدر چاچ نے ان عمارتون کی تاریخ بنا مین ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا جسکے چند شعر یہ ہین،

برین عمارت خرم برین خجستہ سرائے
ہزار دیدہ کشادہ است چرخ آئینہ دار

فناش نقش طراز نگار خانۂ خلد،
ہواش غالیہ سائے نسیم باد بہار

فضائے عرصۂ یکسر ستونِ بارگہش
محیط نہ ربض ہفت قلعہ ز دوار

چہار بازوہ ارکان او بہ بہشتی بخت
ز روئے لطف سرعرش را گرفتہ کنار

برونِ او ز ملا پر خروش جوش جیوش
درون او ز صفا جائے ذکر و استغفار

رئیس مدرسۂ او معلم ادریس
امام مسجد او طوطے شکر گفتار

تمام گشت بتاریخ وادخلوا فیہا
کشادہ باتو بگویم کہ ہفصد و چل و چار
۷۴۴ھ

دہلی مین ایک مدرسہ حوض خاص[1] مشہور مدرسہ تھا، حوض در اصل سلطان خلجی کا بنوایا ہوا تھا اس نے اپنے تخت نشینی کے سال ۶۹۶ھ مین بنوایا

[1] فتوحات فیروزشاہی،

تھا، فیروزشاہ کے زمانہ مین یہ حوض مٹی سے بھر گیا تھا، بادشاہ فیروز نے اُسکو صاف کرایا، جہان جہان مرمت کی ضرورت تھی مرمت کی گئی، اور تقریباً ۷۵۵ھ مین اسکے اوپر ایک مدرسہ قائم کیا جسمین مشہور مدرسین جمع کیے گئے، اس مدرسہ کے صدر مدرس سید یوسف بن جمال حسینی تھے، اُن کا انتقال ۷۹۰ھ مین ہوا، اور اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کیے گئے،

مدرسہ فیروزشاہی، دہلی کا یہ سب سے مشہور اور اپنے عہد کا بہترین مدرسہ تھا، فیروزشاہ نے یہ مدرسہ فیروزآباد دہلی مین ۷۵۳ھ مین قائم کیا تھا، ضیاء برنی نے اسکی تعریف مین صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہین لکھتا ہے،

"یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت، خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس ہند مین سب سے بہتر اور عمدہ ہے، مصارف کے لیے شاہی وظائف مقرر ہین"

طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کے متصل مسجد بھی تھی، مولانا جلال الدین رومی اس مدرسہ کے مدرس دینیات تھے،

مدرسہ بالابند آب سیری، یہ مدرسہ دراصل ایک شاہی عمارت مین واقع تھا ضیاء برنی لکھتا ہے کہ مدرسہ فیروزشاہی کی عمارت سے دہلی کی کوئی عمارت حسن عمارت و موقع مین اگر مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ یہی مدرسہ بالابند آب سیری کی عمارت ہے، اسکے بعد لکھتا ہے،

"مولٰنا سید الائمہ والعلماء نجم الملۃ والدین سمرقندی کہ از نوادر اساتذہ است ،

در آن عمارت مبارک مدرس گشتہ"

اسکے لیے کچھ وقف اور شاہی وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا، نیز بہت سے طلبار کی کفالت کیجاتی تھی، اور وہ استاد مذکور سے فیض تعلیم حاصل کرتے تھے،

ماہ صفر ۷۷۶ھ مین سلطان فیروزشاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ فتح خان کی وفات پر اسکے مقبرہ کے ساتھ ساتھ لبطور کار خیر و ایصال ثواب ایک مدرسہ[1] بھی قائم کر دیا جس کے اخراجات کا مدار شاہی وظائف پر تھا،

ہمایون کا عہد حکومت تقریباً ۹۳۵ھ سے شروع ہوتا ہے، اس نے علوم دفنون کی ترقی مین اگلے بادشاہون سے کچھ کم کوشش نہین کی، ہمایون علوم کا عاشق دشیفتہ تھا، علم ہئیت و جغرافیہ سے اسکو خاص مناسبت تھی، اُس نے طبائع عناصر پر ایک خاص رسالہ لکھا تھا، کرے اور اسطرلاب جو عموماً مدارس ہند مین آج نظر آتے ہین یہان ابتداءً انکا رواج دینے والا بھی ہمایون ہے، اس نے خود ایک خاص قسم کا اسطرلاب ایجاد کیا تھا جو اسطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ ہمارے دارالعلوم ندوہ کے کتب خانہ مین ایک اسطرلاب موجود ہے جسپر صانع کی یہ عبارت کندہ ہے،

عمل ضیاء الدین محمد بن قاسم محمد ابن ملا عیسیٰ ابن شیخ الہداد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی ۹۹۵ھ،

[1] تاریخ فرشتہ و آثار الصنادید،

ہمایون نے دہلی مین ایک مدرسہ قائم کیا جسکے ایک مدرس شیخ حسین تھے، لوگونکو یہ عام طور پر معلوم نہین کہ ہمایون کے مقبرہ کے اوپر جو چھت تھی وہ دراصل ایک مدرسہ[1] تھا جسمین بڑے بڑے اساتذہ وقت تعلیم دیتے تھے، اور مقبرہ کے پہلو مین چھوٹے چھوٹے کمرے طلبار کی اقامت کے لیے بنے ہوئے تھے،

عہد اکبری مین ماہم بیگم نے جو اکبر اعظم کی مرضعہ تھین، ۹۶۹ھ مین پُرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل مین ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، مدرسہ کا نام خیر المنازل رکھا گیا جسپر یہ کتبہ لگا ہوا تھا،

بدوران جلال الدین محمدؐ — کہ باشد اکبر شاہانِ عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی — بنا کرد این بنا بہر افاضل
دے شد ساعی این نفعہ خیر — شہاب الدین احمد خان باذل
زہے خیریتِ این خیر منزل — کہ شد تاریخ او خیر المنازل

جلوس اکبری کے آٹھوین سال اکبر پر حملہ کرنے کی جو کوششین کی گیئن وہ اسی کے قرب وجوار کا واقعہ تھا، گو اب یہ مدرسہ کھنڈر ہے لیکن آج بھی اُسکے باقیماندہ آثار اسکی گذشتہ عظمت وشوکت کو یاد دلاتے ہین،

شیخ عبد الحق محدث دہلوی جو جہانگیر کے عہد مین تھے، اخبار الاخیار مین ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہین جہان اُنھون نے تعلیم پائی تھی، اس مدرسہ مین تعلیم کا وقت

[1] آثار دہلی از اسٹیفن،

صبح سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا، چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہین اوقات مین مدرسہ جایا کرتے تھے،

دلّی کی جامع مسجد عہد شاہجہانی کی صرف تعمیری یادگار نہین بلکہ اِس سلسلہ مین اوراق تاریخ پرچند اور رفاہ عام کی عمارتین بھی ہمیشہ یادگار زمانہ رہین گی، جیسا کہ اسٹیفن نے لکھا ہے، مسجد کے شمالی رخ پر شاہی شفاخانہ قائم تھا، جہان غربا اور مسکینوں کے لیے علاج کے تمام اسباب وسامان مہیا کیے گئے تھے، مُفت علاج کیا جاتا تھا، اور دوائین بھی بلاقیمت تقسیم کیجاتی تھین، مسجد کے جنوبی رُخ پر شاہی مدرسہ تھا اس مدرسہ کا سال بنا تخمیناً ۱۰۶۰ھ عہد شاہجہانی ہے، یہ مدرسہ گردشِ روزگار کے ہاتھون ۱۸۵۷ء کے غدر کے بہت پہلے سے ویران پڑا ہوا ہے، اس عظیم الشان مدرسہ کا نام دارالبقاء تھا،

بہادرشاہ کے عہد حکومت مین ایک نیا مدرسہ دلی مین قائم ہوا، جس کے بانی امیر غازی الدین خان فیروز جنگ تھے، مرحوم اپنے مدرسہ ہی مین مدفون ہوئے، سال وفات ۱۱۲۲ھ ہے امیر غازی الدین نواب آصفجاہ بانی خاندان حیدرآباد دکن کے والد بزرگوار تھے، یہ وہ علم پرور خاندان ہے جس کے فیض کرم سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ سیراب ہورہا ہے، امیر غازی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے ان محبوب ومعتمد امرا مین تھے، جو دربار بہادرشاہی کے بھی معتمد رکن رہے، امیر غازی الدین نے یہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا تھا، مدرسہ کی

عمارت کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت مین ابھی تک ایک خوبصورت دروازہ باقی ہے جو ایسے مقام پر لیجاتا ہے جسکی ظاہری حالت یہ بتاتی ہے کہ وہ مدرسہ کا مطبخ تھا،

نواب اعتماد الدولہ فضل علی خان لکھنؤ نے اس مدرسہ کے خرچ کیواسطے ایک لاکھ ستر ہزار روپے انگریزی کمپنی کو دیے تھے، چنانچہ کمپنی کی طرف سے مقبرہ کی دیوار پر اُنکے نام کا ایک کتبہ لگایا گیا جسکی عبارت یہ ہے،

کُتبہ مقبرہ غازی الدین خان

نہ بر لوح نقشے باند ولیک	جزای عمل ماند و نام نیک

"بنا و حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علیخان بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برای ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و وطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۹ء"

محمد شاہ کے عہد حکومت مین نواب شرف الدولہ ارادت خان نے ایک مدرسہ اور اوسکے ساتھ ایک مسجد بنوائی، اس مدرسہ کا سال بنا ۱۱۳۵ھ ہے، مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

در زمان شہِ خورشید سریر	ظل حق ماہ زمین شاہ زمان
ناصر الدین محمد شاہ است	تیغ اُو کفر شکن در دوران
شرف الدولہ بنا فرمودہ است	مسجد و مدرسۂ عالی شان
این دو بیت الشرف علم و عمل	ہمچو سعدین فلک کردہ قران

دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر المنافع مدرسہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی کا ہے
یہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے پدر بزرگوار اور فتاوی عالمگیری کے
جامعین مین تھے یہی مدرسہ تھا جسکے آغوش مین شاہ ولی اللہ، قاضی ثناءاللہ پانی پتی
مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ اسمٰعیل، شاہ اسحاق، شاہ عبدالقادر وغیرہ علماے
کرام پل کر جوان ہوے، اور آخر باری باری سے اسکے مسند درس پر متمکن ہوئے یہی
وہ سرچشمۂ فیض ہے جہان سے حدیث نبوی کے برکات تمام گوشہ ہاے ہند مین پھیلے
اس مدرسہ کی مٹی ہوئی یادگار ابتک دلی مین باقی ہے،

مدارس پنجاب

پنجاب کا اسلامی پایہ تخت لاہور تھا، اس شہر نے اسلامی عہد مین بہت کچھ
ترقیان کین، پونے دوسو برس تک غزنویہ خاندان کے حکمرانون کا تخت گاہ رہا،
علما، وفضلار کا مرجع ومرکز تھا، افسوس ہے کہ مجھے تصریح کے ساتھ متعدد مدارس
کے نام اس شہر مین نہین ملے لیکن اُسکی علمی ترقی کے آثار بتاتے ہین کہ یہ شہر تعلیمی حیثیت
سے بھی ایک مدت تک علما، وطلبار کا ملجا وماوی رہا ہے،

لاہور

وزیرخان کی مسجد یہ مشہور مسجد مدرسہ کا بھی کام دیتی تھی، اُسکے نیچے اور
گردوپیش جو دُکانین تھین، اُن سے بانی کا یہ مقصد تھا کہ ان کی آمدنی
سے دو عالم مقرر کیے جائین تاکہ سلسلۂ تعلیم بغیر کسی مالی دقت کے برابر

جاری رہے،

عالمگیر اورنگ زیب کے عہد حکومت مین سیالکوٹ کے علمی شان وشکوہ کا پتہ چلتا ہے، اس شہر نے اس عہد مین علمی مرکزیت حاصل کر لی تھی، یہان بڑے بڑے مشاہیر علما رہتے، ملّا عبد الحکیم سیالکوٹی جن سے ہمارے عربی مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے، اور جنکی تصنیفات ہندوستان سے لیکر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی ہین، انکے صاحبزادے ملّا عبد اللہ اپنے والد ماجد کی جگہ پر اس شہر کے مدرسہ مین قائم مقام ہوئے، افسوس ہے کہ اس مدرسہ کے بانی، تاریخ بنا، اور دوسرے حالات کی تفصیل مجھے نہین مل سکی، سیالکوٹ کے علمی مرکزیت کا نشان عہد اکبری[۵۲] کے بعد سے ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان علم وفضل کا چرچا بہت پہلے سے تھا،

جیسا کہ خلاصۃ التواریخ کا مصنف ہندوستان کا جغرافیہ لکھتے ہوئے سیالکوٹ کے تذکرہ مین لکھتا ہے،

> دران خطۂ دلکشا خوابگاہ امام علی الحق خلف امام زین العابدین است گویند کہ بسیارے از اہل اسلام از عرب بقصد جہاد در ہندوستان آمدہ۔ باتفاقے کہ ورود بسیالکوٹ رسیدہ باہنود جنگ کردہ درجۂ شہادت یافتند۔ اکنون مزار مظہر انوار ایشان زیارتگاہ صغار وکبار است۔ دران شہر فیض آمود دار العلم جامع علما وموطن فضل ومسکن فضلا است اگرچہ در زمان محمد اکبر بادشاہ زبدۂ ارباب حال وقال مولٰنا کمال از حسین خان

سلہ[۵۱] یاد ایام بحوالہ تحقیقات چشتی۔ ۵۲ نسخہ قلمی کتبخانہ الاصلاح دسنہ (بہار)

مرزبان کشمیر رنجیده در سنہ ہفتصد وہفتاد و یک ہجری بسیالکوٹ رسیدہ بدرس طلبۂ علم اشتغال ورزیدہ رواج علم دران شہر دادہ اما در عہد خلافت شاہجہان بادشاہ افضل الفضلاء واکمل الکملا مظہر طبع مستقیم مولوی عبد الحکیم کہ بحر مواج فضل وکمال وور فضائل وافادات بیمال است بیشتر مروج علم گردید وبر بعضے کتب حاشیہ تصنیف نمودہ محلل معانی مشکلہ گردیدہ وطلبۂ علم از ممالک دور و نزدیک در مدرسہ ایشان رسیدہ فیضیاب شدند، وبعد رحلت ایشان مقتدائے اہل اللہ رہنمائے خلق اللہ مولوی عبد اللہ خلف دودمان آن مغفور برونق افزائی مدرسہ ورہنمائی طلبۂ علم اشتغال ورزیدہ فضائل معنوی را با علوم صوری ہمدوش و درویشی را بافضیلت ہم آغوش گردانیدہ، از افزونی حسن اخلاق ورہنمونی طبقات خلایق این بزرگ را امام وقت میگفتند، در ۱۱۲۶ھ عالمگیری بعالم جاویدی شتافت،

درگاہ شیخ چلی

تہانیسر علاقہ پنجاب مین درگاہ شیخ چلی کے قریب ایک مدرسہ تھا جو مدرسہ شیخ چلی کے نام سے مشہور بھی تھا، مدرسہ کی عمارت ایکسو چوہتر فیٹ مربع ہے، اسکے ہرطرف نو نو در اور جانب مشرق دروازہ مع سیڑھیون کے بنا ہوا ہے اسکے دروازے ہندوانہ وضع کے ہین، جب سکھون نے زور پکڑا اور درگاہ شیخ چلی کو مندر بنایا تو اس عمارت مین گرنتھ رکھا گیا، اب یہ عمارت شکستہ حال اور مرمت طلب ہے، اثریاتِ ہند کے بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کو ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء مین داراشکوہ نے تعمیر کرایا تھا،

---

[1] ۶ بہت نگا۔ بحوالہ اثریات ہند،

نارنول

شیر شاہ نے ایک مدرسہ نارنول مین قائم کیا، یہ مقام اب ریاست پٹیالہ مین داخل ہے، مقام بوال جو حصار اور جے پور ریلوے کے درمیان مین ایک اسٹیشن ہے، وہان سے پچھم بتیس "۳۲" میل دور واقع ہے مدرسہ کی عمارت بہت بڑی اور شاندار تھی، شیر شاہ کے دادا ابراہیم سور کی قبر یہین واقع ہے، ایک کتبہ جو مدرسہ کی عمارت پر ابتک لگا ہوا ہے، اس سے تاریخ تعمیر ۹۲۷ھ ظاہر ہوتی ہے، مدرسہ و مقبرہ کی تعمیری مصارف ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھے، یہ مدرسہ شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت سے پہلے دادا کے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر کے بنوایا تھا، (اثریات ہند)

مدارس آگرہ

اس شہر نے اسلامی عہد حکومت مین مختلف حیثیتون سے ایسی ترقیان حاصل کین جو دوسرے کسی شہر کو نصیب نہین، تعلیمی حیثیت سے ایک مدت تک فخر روزگار رہا، آگرہ مین متعدد مدارس قائم تھے، یہان کی تعلیم گاہون کے لیے شیراز سے علما، بلائے جاتے تھے، لالہ سیل چند جو غدر ۱۸۵۷ء کے پس و پیش زمانہ مین موجود تھے، اپنی کتاب تفریح العمارات مین لکھتے ہین کہ انکے زمانہ تک آگرہ مین ایک بہت بڑا مدرسہ موجود تھا جسکی پروفیسری کے لیے شیراز سے ایک عالم بلوائے گئے تھے، مصنف کی اصل عبارت یہ ہے،

"در عہد جلال الدین محمد اکبر شاہ جا بجا مدرسہ ہا بو دند و استادان فارس و شیراز تعلیم می فرمودند چنانچہ تا حال مدرسہ عالی اساس کہ رونق افزائے بوستان

سخنوریست دو دیباچہ صحیفۂ سخنوریست درین دار الخلافت عظمت اساس دار ود و

بشاہدہ مکانا نقش تخم حیرت در دیدہ قریب میکارد،،

اب اس مدرسہ کے کچھ آثار باقی نہین ہین مدرسہ کی جگہ پر ایک بہت بڑا محلہ آباد ہو گیا

ہے۔ صرف یہی ایک نشان باقی ہے کہ یہ محلہ اب تک محلہ مدرسہ کہلاتا ہے،

شاہنشاہ اکبر نے اس مدرسہ کے لیے چلپی بیگ نام ایک شیرازی فاضل کو بلایا

تھا جسکی طلبی کا فرمان ابو الفضل دفتر اول مین مذکور ہے،

شیخ زین الدین خوافی نے جو نظم و نثر کے ماہر تھے، آگرہ مین اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا

جسکے مصارف کا تعلق بالکل انکی ذات سے تھا، ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء مین جب چار

کے قریب انکا انتقال ہوا تو وہ اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کیے گئے، جو انکا قائم کیا

ہوا تھا، یہ ہمایونی عہد حکومت کا ذاتی مدرسہ تھا، (منتخب التواریخ)

”آگرہ نے اکبری عہد حکومت مین جو عروج اور ترقی حاصل کی تھی وہ جہانگیر کے

زمانہ تک باقی رہی، جہانگیر اپنے تزک مین لکھتا ہے،

کہ آگرہ کی آبادی صناعون اور طلباے علوم سے بھری ہے ہر مذہب ملت کے

علما اس شہر مین آباد ہین،،

جہانگیر نے یہ قانون وضع کیا تھا کہ

”حدود مملکت مین جہان بھی کوئی مالدار رئیس یا بیرونی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے

مرجائے تو اسکی تمام جائداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسون اور خانقاہون پر

صرف ہوئی" (منتخب اللباب خوافی خان)

جام جہان کا مصنف لکھتا ہے کہ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد قدیم مدارس کو جو کچھ مدت سے پرندون اور جانورون کا مسکن بنے ہوے تھے، طالب علمون اور استادون سے بھر دیا،

مولنا علاء الدین لاری جنھون نے شرح عقائد نسفی پر حواشی لکھے ہین آگرہ مین درس دیا کرتے تھے جو مدرسہ انھون نے قائم کیا وہ مدرسہ خس کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ یہی اسکا تاریخی نام تھا ملا بدایونی لکھتے ہین،

"باگرہ آمدہ بدرس مشغول شدند و مدرسہ از خس ساختند و مدرسۂ خس تاریخش شد"

آگرہ کی جامع مسجد شاہجہان کی بڑی لڑکی جہان آرا بیگم کی یادگار ہے بیگم نے اسی کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنون تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اور شاید کسی نہ کسی صورت میں ابتک قائم ہے مسجد کے گرداگرد دکانونکی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف ہے،

آگرہ مین مدارس کی جو کثرت تھی اسکا پتہ آج بھی محلون کے نام قدیم عمارات اور زبانی مشہور عام روایتون سے چل سکتا ہے،

بیانہ

منجملہ دیگر مدارس کے بیانہ کا ایک مدرسہ قابل ذکر ہے جسکو مولوی قاضی رفیع الدین صاحب نے قاضیون کی مسجد کے متصل قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت پر جو کتبہ ہے اس سے

مدرسہ کا سال بنا ۹۳۰ھ معلوم ہوتا ہے (اثریات ہند)

مدارس فتحپور سکری

اکبر نے بھی اپنے عہد حکومت مین متعدد مدرسے قائم کیے، فتحپور سکری مین پہاڑی کے اُوپر اُس نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، جسکے مثل کوئی سیاح بہت کم مدرسہ کا نام بتا سکتا ہے، غالبًا لالہ سیل چند اپنی کتاب تفریح العمارات مین حسب ذیل عبارت سے یہی مدرسہ مراد لیتے ہین،

"اکبر نے اجمیر سے واپس آکر فتحپور سکری کو اپنا دار السلطنت بنایا، یہان بہت سی عمارتین بنوائین جنین مدرسہ و خانقاہ وغیرہ بھی داخل ہین"

آئین اکبری مین لکھا ہے،

"بفرمانِ گیہان خدا مسجدے و مدرسہ و خانقاہے برفراز آن کوہ انجام یافت، جہان دیدگان بدان نشان کم دہند" (ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ)

یہان ایک مدرسہ، مدرسہ ابوالفضل کے نام سے تھا بانی کی خوش نیتی دیکھیے کہ ابتک وہ قائم اور اسی مصرف مین ہے، یہ مدرسہ شاہی محل کی عمارتون کے بالکل قریب ہے،

اسکے علاوہ فتحپور مین اور مدارس کے نام ملتے ہین لیکن چونکہ اُنکی کوئی تفصیلی حالت نہین ملتی، اسلیے ہم اُنکو قلم انداز کرتے ہین،

مدارس متھرا و نروار

سکندر لودی نے اپنے ایام حکومت مین بکثرت سرائین، مدرسے اور مسجدین

بنوائین، یہ بہت پابند شریعت، اور علم دوست بادشاہ تھا، ہندوؤن نے فارسی تعلیم اسی کے عہد حکومت سے شروع کی،

تاریخ داؤدی اور جام جہان نما سے معلوم ہوتا ہے کہ متھرا مین اُس نے متعدد مدرسے قائم کئے، گو ان مدارس کی تفصیلی حالت نہین معلوم لیکن قاسم فرشتہ ان لفظون مین مجمل تذکرہ کرتا ہے،

"در بہتر جا ئہا کہ ہندوؤان غسل می کردند، سرائے و مسجد و مدرسہ و بازار ساختہ موکلان گماشتہ اند"

سکندر نے جب ۹۱۴ھ مین علاقہ مالوہ کے قلعہ نرور کے تسخیر کا ارادہ کیا اور پورے آٹھ مہینے کی مسلسل کوششوں کے بعد فتحیاب ہوا تو چھ مہینہ تک وہان اقامت گزین ہو کر مساجد و مدارس کی بنا و تاسیس مین مشغول رہا فرشتہ لکھتا ہے،

"و سلطان شش ماہ در پایۂ قلعہ نشستہ بتخانہا را برانداختہ و مساجد بنا نمودہ مفتی و خطیب تعیین فرمودہ و علما و طلبا را وظائف مقرر ساختہ در آنجا متوطن گردانید"

(ذکر سکندر لودی)

مدارس بدایون

قدیم زمانہ سے یہ شہر پٹھان امرا اور شاہزادون کا مستقر رہا ہے، اسکی علمی و تعلیمی تاریخ دہلی و آگرہ کی طرح روشن ہے، لیکن آج اسکی تاریخی تفصیلات مجہول ہین، پھر بھی وہان ہمیشہ علما و فضلا کی جمعیت اور طلبا کا ہجوم اسکی گذشتہ عظمت کی ہلکی سی یادگار رہی

تاریخ شاہ عالم مین جسکو مسٹر فرینکلن نے شائع کیا ہے لکھا ہے کہ

بدایون کے قدیم عمارتون کے ویران ومنہدم حصے جو ابتک باقی ہین وہ دراصل

باغون، مسجدون، خانقاہون اور قدیم مدرسون کے آثار باقیہ ہین (صفحہ ۵۷)

بدایون کی جامع مسجد ۶۲۰ھ شمس الدین التمش کے عہد امارت مین بنی اسکے عقب

مین مدرسہ معزی تھا۔ اگرچہ یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا تاہم قرینہ وقیاس سے یہی

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون عمارتیں غالباً شمس الدین التمش ہی کی چھوڑی ہوئی یادگارین ہین

مدرسہ دارانگر

یہ امروہہ کے گردونواح مین ایک مشہور مقام ہے، یہان نجیب الدولہ نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، جہان سے بیشمار طلبہ نے فیض تعلیم حاصل کیا، اس مدرسہ مین خصوصیت کے ساتھ فرنگی محل کے اکثر فارغ التحصیل اشخاص مدرسین مین داخل تھے،

مدرسہ رامپور

مولنا بحرالعلوم کو نواب فیض اللہ خان نے رام پور بلایا، اور مدرسہ عالیہ جو ابتک قائم ہے، اسکا صدر مدرس مقرر کیا، مولنا وہان پانچ برس تک درس تدریس مین مشغول رہے، ہندوستان کے دوسرے مشہور عالم ملا حسن بھی مدرسہ عالیہ رامپور مین عرصہ تک مدرس رہے، ان بزرگون کے فیض برکت سے تعلیم وتعلم کی وہان بڑی گرم بازاری رہی،

مدارس شاہجہانپور و بریلی

اخیر زمانہ میں روہیلکھنڈ پر حافظ الملک رحمت خان نے قبضہ کر لیا تھا، اپنی نوابی کے زمانہ میں اُسنے روہیلکھنڈ کے مشہور شہر و نکو رشک دہلی بنا دیا، مولٰنا بحر العلوم کو اصرار و التجا شاہجہانپور بلایا، انکے لئے ایک خاص مدرسہ قائم کیا جسمین مولٰنا بیس برس تک مشغول درس و تدریس رہے

حافظ الملک رحمت خاں کی علمی فیاضیان جسقدر بڑھی ہوئی تھین اور اسنے اپنے قلیل زمانہ مین تعلیم کی اشاعت جو کچھ کی مصنف گل رحمت کے اس بیان سے اُسکی تصدیق ہوگی،

"باستماع خبر قدر شناسی و دین پروری حافظ الملک صدہا علما متبحر مثل مولٰنا عبد العلی لکھنوی وغیرہم در تمامی شہر ہائے کیٹھر مجتمع شدہ مواجب کثیرہ زیادہ از حاجت از سرکار می یافتند و در مدارس و مساجد کہ برائے ایشان از سرکار ترتیب یافتہ بود بفراغ خاطر درس و تدریس اشتغال می ورزیدند، و در ہر مدرسہ کتب درسی و وظیفہ طلبا از سرکار تعین می یافت"

"در سال یکہزار و دو صد و چہل و نہ ہجری بندہ خاکسار محمد سعادت یار ابن حافظ محمد یار خان بندے از حالات و واقعات جد بزرگ خود اغنی حافظ الملک رحمت خان بہادر مرحوم کہ بکمال عدالت گستری و نیکنامی حکومت ملک کیٹھر فرمودہ اند، بقید تحریر می آرد و در ضمن آن احوال بعضی پادشاہان و امیران آن عہد نیز می نگارد تا یادگار ماند و این تالیفِ نو مسمی بہ گلِ رحمت منتخب است از کتاب گلستان رحمت کہ پیش ازین جناب عمو لیعا حب محمد مستجاب خان مرحوم بکمال تحقیق و توضیح تسوید فرمودہ اند" سه کٹھر علاقہ روہیلکھنڈ کا قدیم نام ہے،

له رسالہ قطبیہ ص۲ گل رحمت حافظ الملک اور انکے خاندان کی مفصل تاریخ ہے حافظ الملک کے پوتے محمد سعادت یار اسکے مؤلف ہین آغاز کتاب مین وہ لکھتے ہین

ایک ہندو مصنف کندن لال اشکی جو اسی زمانہ مین تھا اپنی تصنیف نزہتہ الناظر کے خاتمہ مین لکھتا ہے،

یاد دارم کہ در ایام تحصیل فقیر در بلدۂ بریلی قریب سہ صد کس طالبعلم آشنائے فقیر بودند،

مدرسہ پیلی بھیت

حافظ رحمت خان نے شاہجہانپور اور بریلی کی طرح یہان بھی ایک مدرسہ بنوایا تھا۔ساڑھے تین لاکھ کے صرفہ سے جامع مسجد بنائی تو اسی سلسلہ مین مدرسہ کی عمارت بھی تیار ہوئی۔یہان بھی طلبا رکے لیے وظائف مقرر تھے جب کوئی طالب علم فارغ ہوتا تو نواب مرحوم خود اپنے ہاتھ سے اسکے سر پر دستار فضیلت باندھتے اور اس کا وظیفہ شاہی خزانہ سے مقرر کر دیتے،

مدارس اودھ

اودھ نسبتہً اور صوبون سے اس خاص وصف مین ممتاز تھا کہ یہان پانچ پانچ دس دس کوس پر شرفا اور نجبار کے دیہات آباد تھے،جنمین اچھے اچھے علما وفضلا درس دیتے تھے،،اور دُور دُور سے طلبہ آکر تحصیل علوم کیا کرتے تھے،سلاطین کی طرف سے ان مدرسونکے مصارف کے لیے دیہات معاف ہوتے تھے،ماثر الکرام مین مولوی غلام علی آزاد لکھتے ہین،

اگرچہ جمیع صوبجات ہند بوجود حاملان علم تفاخر دارند،اما صوبۂ اودھ والہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتوان یافت،چہ در تمام صوبہ اودھ واکثر صوبۂ الہ آباد بفاصلہ ہیچ کردہ نہایت دہ کردہ آبادی شرفا و نجبا رہست کہ از سلاطین و حکام وظائف وزمین مدد معاش داشتہ اند

و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسانِ عصر در ہر جا ابواب علم بر روے دانش پژوہان کشادہ و طلبا علم خیل خیل می روند، و ہر جا موافقت دست بہم دادہ بہ تحصیل علوم مشغول می شوند، و صاحبِ توفیقات ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ می دارند، و خدمت این جاعت را سعادت عظمیٰ میدانند،

سہالی

انہی مشہور قصبون مین قصبہ سہالی بھی داخل تھا، جو لکھنؤ سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، شیخ نظام الدین انصاری ایک مشہور عالم اس قصبہ مین آکر سکونت پذیر ہوے اور انھون نے سلسلۂ درس و تدریس قائم کیا اُنکے پرپوتے شیخ حافظ نے علم و فضل مین بڑی شہرت حاصل کی، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا، جب وقائع نگارون کی اطلاع سے جسکا سلسلہ خصوصیت کے ساتھ تیموری عہد حکومت مین تمام ہندوستان مین پھیلا ہوا تھا، اکبر تک اُسکی خبر پہونچی تو شیخ حافظ کے لیے جاگیر مقرر ہوئی، شیخ موصوف باطمینان تمام مشغلۂ درس و تدریس مین مصروف رہے، انکی درسگاہ مین طلبہ کی سکونت کا انتظام بھی تھا مصارف کی کفالت بھی تمام تر شیخ موصوف کرتے تھے، جسکا ذریعہ وہی شاہی وظیفہ تھا، ملّا قطب الدین شہید شیخ حافظ کی نسل سے چوتھی پشت مین تھے، ملّا قطب الدین کے والد لاہور کے کسی مدرسہ مین مدرس تھے، انھون نے زیادہ تر کتابین اپنے والد بزرگوار سے پڑہیں اور کچھ دوسرون سے بھی، فراغت کے بعد سہالی ہی مین سلسلۂ درس جاری کیا، عالمگیر نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اُنھون نے اپنے زاویۂ عزلت سے باہر

نکلنا پسند نہ کیا، ملّا صاحب نے ۱۱۰۳ھ مین شہادت پائی اور اس دن سے سہالی کی بزم علمی فرنگی محل کو منتقل ہو گئی،

لکھنؤ

لکھنؤ مین سب سے پہلے شیخ اعظم جونپور سے فیضیاب ہو کر آئے انکے بعد شاہ پیر محمد نے یہان مدتون بڑی سرگرمی کے ساتھ بزم تعلیم گرم رکھی۔ ان کے بعد انکے شاگرد رشید ملا غلام نقشبند نے اس مجلس علمی کو اور زیادہ رونق دی۔ یہ تو صحیح طور پر معلوم نہین کہ شاہ پیر محمد جہان تعلیم دیتے تھے وہ کونسی جگہ تھی لیکن عجب نہین کہ جو مقام آج شاہ پیر محمد کا ٹیلہ کے نام سے مشہور ہے اسکی اس نام سے شہرت کا سبب بھی مجلس تعلیم ہو،

ملّا قطب الدین شہید سہالوی کے نامور فرزند ملا نظام الدین کے فیض نے فرنگی محل کو ہندوستان کا دار العلم والعمل بنایا، یہ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کے تھے، شرح ملّا جامی تک تعلیم ہو چکی تھی، بقیہ کتابین ملا علی قلی جائسی مولانا نقشبند گورکھپوری، مولنا عبد السّلام دیوی اور مولنا امان اللہ بنارسی سے پڑھین،

۲۴ برس کی عمر مین فراغت تعلیم کے بعد مسند درس پر بیٹھے، اور سہالی کا چراغ علم و فضل فرنگی محل مین روشن ہوا، فرنگی محل کا مکان سکونت شہنشاہ عالمگیر نے عطا کیا تھا، فرمان کے چند جملے یہ ہین،

فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ یکمنزل حویلی فرنگی محل با متعلقہ آن واقع بلدۂ لکھنؤ مضاف بصوبۂ اودھ کہ از اکنہ نزولی است برائے بودن شیخ محمد سعد محمد سعید پسران ملّا قطب الدین شہید

حسب الضمن مقرر فرمودیم۔

چونکہ ملا نظام الدین اسوقت صغیر سن تھے، اسلیے فرمان مین انکا نام نہین مذکور ہے،
نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیاے اسلام مین یہ فخر صرف اسی خاندان کو حاصل ہے کہ
تقریبًا ڈہائی سو برس تک بلا فصل علما وفضلا پیدا ہوتے رہے، اور انمین سے ہرایک نے
اپنی زندگی محض علم وفن کی خدمت کے لیے وقف کردی، اوران کی درسگاہون سے
ہزارون علمار نکلکر ملک کے ہر گوشہ مین پھیل گئے، اور الحمد للہ کہ یہ فیض ابتک جاری ہے،

اس سلسلہ مین دیوا، جائس، گوپامئو اور خیرآباد، وغیرہ قصبونکے نام بھی لینا چاہئین،
جہان اول الذکرین مولنا عبد السلام، ثانی الذکرین ملا علی قلی، ثالث الذکرین قاضی
مبارک اور رابع الذکرین مولنا فضل حق وغیرہ مدتون درس وتدریس مین مشغول
رہے، اور انکے فیوض علمی بھی بہت کچھ عام تھے، ملا نظام الدین نے اول الذکر دو بزرگونکے
حلقۂ درس کی شرکت کی، اور ز انوے تلمذ تہ کیا تھا،

بلگرام بھی ان قصبات مین مخصوص حیثیت رکھتا ہے، تعلیمی حیثیت سے یہ جگہ بھی
مدتون ممتاز رہی ہے، متعدد مشاہیر علمار وفضلار اُسکی خاک سے اُٹھے،

یہ قصبات درحقیقت اپنے اپنے علمار کے فیض وجود سے بجائے خود کالج بلکہ یونیورسٹی تھے،

اس سلسلہ مین فتحگڈہ کا مدرسہ بھی قابل تذکرہ ہے، جسکو حکیم مہدی وزیر نواب
سعادت علی خان اور نواب غازی الدین نے اپنے عہد قیام مین جب لکھنؤ سے فتح گڈھ
کچھ دنون کے لیے آگر رہے تھے قائم کیا تھا، اس مدرسہ کے تفصیلی حالات نہین معلوم،

مسٹر فینی پارکس؀ نے اپنے روزنامچہ مین اسکا تذکرہ کیا ہے،

الہ آباد مین شیخ محب اللہ، قاضی محمد آصف، شیخ محمد افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زائر، مولوی برکت اللہ، مولوی جار اللہ اور دوسرے باکمال علمار نے ایک مدت تک سلسلہ درس وتدریس قائم رکھا۔ اور ان بزرگون کی مساعی جمیلہ کے باعث تقریبًا سو برس تک وہان اچھی علمی رونق رہی۔ دائرہ شاہ افضل جو آجتک باقی ہے اور کسیقدر اپنے قدیم فرائض کو ادا کرتا ہے غالبًا وہی مقام ہے جہان سے تشنہ لبان علم وفضل مدتون سیراب ہوتے رہے،

مدارس فرخ آباد

بہادر شاہ کے عہد حکومت مین فرخ آباد کے ایک مدرسہ کا پتہ چلتا ہے جسکا نام فخر المرابع تھا، بعض لوگ اسی نام کو ربع المفاخر کی صورت مین بدل کر قنوج کا بھی ایک مدرسہ بتاتے ہین، لیکن میری رائے مین یہ اشتباہ اسمی ہے ربع المفاخر یا فخر المرابع نام قنوج مین کسی مدرسہ کا تذکرہ مجھے کتب تاریخ مین نہین ملتا، فخر المرابع فرخ آباد کا مدرسہ ہے جسکے بانی مولوی ولی اللہ نامی ایک بزرگ تھے، مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اسی درسگاہ مین تعلیم پائی تھی؀،

حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ نے فرخ آباد (مگر صحیح غالبًا فیض آباد) مین ایک مدرسہ قائم کیا؀ جسکے ایک مدرس مولنا عبد الواحد خان خیر آبادی تھے، یہ زمانہ شاہ عالم کے

؀ معارف مضمون حکیم ہندی یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی، ؀ "ہندوستان کی علمی ترقی شاہان اسلام کے عہد مین" از نرندر ناتھ لا ۱۵۳ بعض

عہد حکومت کا تھا،

مصنف آثار خیر کے بیان کے مطابق یہان ایک مدرسہ نواب محمد خان بنگش والی فرخ آباد کا تعمیر کرایا ہوا بھی تھا۔ جہان یہ مدرسہ تھا وہ مقام اب تک مدرسہ کے نام سے مشہور اور محلہ چھاؤنی مین واقع ہے۔ افسوس ہے سالِ تعمیر اور دیگر حالات کچھ معلوم نہ ہوسکے،

مدارس جونپور

اسلامی عہد حکومت مین جونپور کی تعلیمی وعلمی اہمیت اس درجہ ممتاز تھی کہ اُسکو شیراز ہند کا لقب دیا گیا شاہجہان فخریہ کہا کرتا تھا کہ،

"پورب شیراز ماست"

اور خاص جونپور کو اُس نے شیراز ہند کا خطاب دیا تھا، ہندوستان کے مشہور بادشاہ شیرشاہ نے اس علمی سرزمین کے آغوش تربیت مین پرورش پائی تھی، شیرشاہ کو سکندرنامہ گلستان بوستان وغیرہ کتابین زبانی یاد تھین، فلسفہ کی تعلیم بھی پائی تھی، اُسکی تعلیم عربی کے سلسلہ مین کافیہ اور شرح کافیہ، شیخ شہاب الدین کا تذکرہ آتا ہے، قدیم سلاطین کی تاریخ کا بڑا شائق تھا، علماء و شیوخ کے ساتھ اکثر مدارس اور خانقاہون مین جاتا تھا علماء کے لیے اُس نے بکثرت مدد معاش کی رقمین مقرر کی تھین،

۷۵۶ یا ۸۵۵ھ مین بی بی راجہ بیگم نے جونپور مین ایک مدرسہ[1] قائم کیا جو مدرسہ

[1] جونپور نامہ

بی بی راجہ بیگم کے نام سے موسوم ہوا، جب سنہ ۹۰۳ھ یا سنہ ۹۰۴ھ مین سلطان سکندر لودی نے جونپور کو فتح کیا تو حسین شاہ شرقی کی اس شکست پر سلاطین شرقیہ کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا سکندر لودی نے فتح پاتے ہی مساجد و دیگر عمارات مقدسہ کو چھوڑ کر اور دوسری عمارتون کے انہدام کا حکم دیا، گو اس دن سے حکومت شرقیہ کا چراغ گل ہو گیا، لیکن جونپور کی بزم علمی منتشر ہونے پائی، اب جونپور کا انتظامی تعلق براہ راست دہلی سے متعلق ہو گیا،

شاہجہان کا یہ فخر آمیز جملہ کہ

"پورب شیراز ماست"

اوپر لکھا جا چکا ہے اس نے حکام جونپور کو عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ وہان کے علما و طلبا کو ہمیشہ وظائف دیے جایا کرین، اور واقعہ نگار ہر مدرسہ کے حالات لکھین، جب شاہجہان کو کسی نئے مدرسے کے قیام اور استحقاق اعانت کی خبر ملتی تھی تو فوراً اسکے لیے وظائف مقرر کرتا تھا، جب ملک کے امرا شاہزادے اور حکام جونپور سے گذرتے تھے تو وہ ان مدرسون کے دیکھنے کے لیے لازمی طور پر قیام کرتے تھے، نیز جیب خاص سے بیش از بیش عطیے دیتے تھے تاکہ اس طرح شاہانِ دہلی کی خوشنودی حاصل کرین،

تقریباً سنہ ۱۱۴۷ھ مین نواب سعادت خان نیشاپوری جب اودھ، جونپور اور بنارس کا صوبہ دار مقرر ہوا تو حسب دستور اُس نے بھی اس عظیم الشان شہر کی

لہ جونپور نامہ،

زیارت کی، لیکن اس بنا، پر کہ علما، اس سے ملنے کے لیے نہین آئے خفا ہو کر چلا گیا اور حکم دے گیا کہ انکی جاگیرین ضبط کر لی جائین، اس حکم کی تعمیل ہونا تھی کہ دفعۃً جونپور کی تمام علمی و تعلیمی سرگرمیون پر اُوس پڑ گئی، طلبا، اور علما وہان سے چلے گئے اور تمام آباد مدرسے ویران ہو گئے، ۱۱۸۱ھ مین آصف الدولہ نے انکی جاگیرون کی واپسی کا حکم دیا، لیکن ایلچ خان نے مخالفت کی اسی زمانہ مین جونپور انگریزون کے قبضہ مین آگیا، ۱۸۰۱ء مین جب ڈنکن نے اس شہر کو دیکھا ہے تو اُسکی بربادی پر افسوس کیا، اس زمانہ کے کمشنر اور کلکٹر بنارس کے سرکاری کاغذات مین اُسکی گذشتہ عظمت کے غیرفانی نقوش باقی ہین، مرقوم[1] ہے کہ

"جونپور جو مسلمانون کے علوم و فنون کا مرکز اور علما کا مرجع تھا، جسکو شیراز ہند کا خطاب حاصل تھا جہان بہت سے مدارس قائم تھے، اور جسکی اب صرف گذشتہ عظمت کی داستان ہی باقی رہ گئی ہے ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ شہر ہندوستان کا شیراز تھا یا ازمنہ وسطی کا پیرس، جونپور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم و حکمت کا مربی ہے، علما اور حکما اس شاہی دارالحکومت کے پُرامن سرزمین مین ہر طرح کی علمی ترقیون کے لیے ہمہ تن کوشان رہتے تھے، محمد شاہ کے زمانہ تک ۲۰ مشہور مدرسے جونپور مین موجود تھے، جن کے اب صرف نام ہی نام باقی رہ گئے ہین، ان مین سے ایک کا بانی پندرھوین صدی کے وسط مین مرا اور

[1] کتاب زندر اناتھولا

ایک اور کا بانی سترہوین صدی کے وسط مین"

اٹالہ کی مسجد

جونپور کی یہ مشہور و معروف مسجد دراصل ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی کا مدرسہ ہے جسمین ایک مدت تک اِس فخر روزگار ہستی کی بدولت بزم تعلیم گرم رہی، اس کے گرد و پیش جو وسیع سلسلہ حجرون کا ہے اس کو علما و طلبار کی اقامت گاہ سمجھنا چاہیئے،

بنارس

یہان مولنا امان اللہ بنارسی کی بہت مشہور درسگاہ تھی، جہان سے ملّا نظام الدین نے بھی فیض حاصل کیا تھا لیکن یہ معلوم نہین کہ اُس کی حیثیت کیا تھی، اگر کوئی خاص مدرسہ تھا تو مجھے اُس کے متعلق کچھ تفصیلی معلومات نہ بہم پہونچ سکین،

اعظم گڈھ

یہ چھوٹا سا ضلع گو بالکل نیا ہے، لیکن قدیم زمانہ مین اس کا تعلق جونپور سے رہا ہے، اور اُس کے اکثر فرزند اسی تعلق سے جونپور کے انتساب سے مشہور رہین، ملّا محمود جونپوری مشہور ہین، لیکن وہ دراصل یہین کے باشندہ تھے، چریا کوٹ، محمد آباد، ولید پور، نظام آباد، ماہل، سرائے میر، مبارک پور، مئو، اُس کے مشہور قصبات ہین، ولید پور ملّا محمود کا مولد ہے، مولوی حسن علی مدرس و مفتی مدارس ماہل کے تھے، چریاکوٹ کی خاک سے اس آخری دور مین مولنا عنایت رسول صاحب اور مولنا فاروق صاحب جیسے فخر روزگار فضلا پیدا ہوے، اس ضلع مین گذشتہ ایام کی

کثرت تعلیم کے آثار ابھی تک صاف نمایان ہین،

غازیپور

اس سلسلہ مین غازی پور بھی تعلیمی حیثیت سے قابل تذکرہ مقام ہے، اس سرزمین سے بھی اکثر علماء وفضلا پیدا ہوئے، مولٰنا فصیحی اور مولٰنا عبداللہ غازی پوری کی ذات یہان کے لیے ہمیشہ سرمایۂ فخر رہے گی، گذشتہ زمانہ مین پورب سے آکر یہان اکثرون نے تعلیم پائی آج کل بھی یہان کا ایک قدیم مدرسہ اپنی فارسی تعلیم کے لیے ممتاز خصوصیت رکھتا ہے،

مدارس بہار

چھٹی صدی ہجری کے آخر مین محمد بختیار خلجی سب سے پہلے بہار و بنگال مین فاتحانہ داخل ہوا، تفصیل نہین ملی لیکن طبقات ناصری اور دوسری تاریخون سے اتنا اجمالاً معلوم ہوتا ہے کہ بختیار خلجی نے اپنے مفتوحہ علاقون کے بعض شہرون مین متعدد مدرسے قائم کیے، بختیار خلجی، قطب الدین ایبک کا معتمد امیر کبیر تھا اسی بختیار کی فاتحانہ کوشش کی بدولت علاقہ بہار و بنگال مین شریعت اسلام کا نشر وظہور ہوا، فرشتہ لکھتا ہے،

"اولین کسے از شاہان اسلام کہ بآن نواحے رفتہ وشعار اسلام را دران حدود رواج داد، محمد بختیار خلجی است، (جلد ۲)

بہار کی علمی وتعلیمی تاریخ گو تفصیل کے ساتھ اسوقت پیش نہین کیجا سکتی، کیونکہ مجھے

تفصیلات ہم نہین پہونچین، لیکن وہان کا موجودہ علمی و تعلیمی فروغ اسکے شاندار و درخشان ماضی کی بہت بڑی دلیل ہے، ایک زمانۂ دراز سے وہان تعلیم عام ہے، ہر دور مین علمائے عظام گذرتے رہے، چنانچہ آج سے تقریبًا چارسو برس پیشتر سلطان سلیم شاہ کے عہد حکومت مین شیخ علائی بانی فرقہ مہدویہ اور علماے وقت مین جب مہدویت کی نسبت مناظرہ پیش آیا تو اسکے حکم ایک بہاری عالم شیخ طیب بدہن تھے انکے علاوہ ملّا محب اللہ اور غلام یحییٰ اپنے عہد کے مشہور ترین اساتذہ گذرے ہین، عام تذکرون سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلۂ تلامذہ اور حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، یقینی و تصریحی طور پر معلوم نہین کہ یہ جہان درس دیتے تھے وہ خاص مدرسہ تھا یا کوئی اور عمارت، بہر حال یہ مسلّم ہے کہ علم و فن کی اشاعت و ترویج مین ان بزرگون کا بہت بڑا حصہ ہے، کتب درسیہ مین بھی جسقدر اُنکی تصنیفات کا غلبہ ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے،

علماے بہار مین سے متعدد اشخاص سلاطین مغلیہ کی طرف سے اعلی مناصب پر بھی فائز ہوئے، بادشاہ نامہ کا مصنف ملّا عبدالحمید لاہوری علمائے عہدِ شاہجہانی کے سلسلہ مین لکھتا ہے،

سید احمد سعید موطنش از توابع صوبۂ بہار است، علوم عربیت خصوصًا علم فقہ کہ دران نیک متحضر است نزد والد خود ملّا سعد کہ از فضلاے آن دیار بود اندوختہ بدرگاہ گیہان جاہ آمدہ بقلاؤ روزی اختر مسعود داخل بندگان سعادت آئین گردید و پس از چندے بخدمت افتائے اُردوے گیہان پوے نوازش یافت (جلد دوم صفحہ ۷۵)

مولوی سراج الدین احمد متوطن فریدپور شاہ عالم بادشاہ کے استاد تھے مصنف تذکرۂ صبح گلشن مولوی امان علی تمتاز کے تذکرہ مین لکھتا ہے،

نبیرۂ مولوی سراج الدین احمد متوطن فریدپور کہ بفاصلۂ شانزدہ کروہ از عظیم آباد ست واین مولوی سراج الدین احمد شاہ عالم عالی گوہر بادشاہ دہلی را استاد بود،

بہار مین عموماً یہ صورت رہی ہے کہ اکثر روسا وامرا علم وفن کی دولت لازوال سے بھی مالامال ہوتے تھے، اور وہ ضروریات دنیاوی سے بے نیاز رہکر اپنے کاشانون مین بیٹھے ہوئے تعلیم وتدریس کے ذریعہ سے علم وفن کی بہترین خدمات انجام دیتے تھے، اور جو امرا اہل علم نہ تھے وہ اپنی معاصرانہ عزت برقرار رکھنے کے لیے علما وفضلا کو اپنے دامن دولت سے وابستہ رکھتے تھے، طلبا کے لیے وظائف اور جاگیرین مقرر کرتے تھے، اور وہ اس کار خیر کو نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ آج تک اس مقدس رسم کی یادگارین بہار مین موجود ہین،

بہار کے مشہور علمی قصبات و دیہات

یہان زمانہ قدیم سے متعدد قصبے اور گاؤن علمی مرکز رہے ہین، جہان سے اس آخری دور مین بھی مشاہیر علما پیدا ہوئے، اس سلسلہ مین چند گاؤن کا تذکرہ ضروری ہے جو بہت مشہور ومعروف ہین،

منیر | یہان متقدمین مین جناب شاہ شرف الدین احمد اور متاخرین مین مولوی

غلام مجیب مولوی اظہار الدین اور مولوی لطف علی بڑے پایہ کے علمار گذرے ہین،

سہسرام | مولوی سلیم اللہ اور شاہ کبیر الدین صاحب مشہور اشخاص تھے:

موضع رہائی | یہان مولوی مفتی غلام قادر صاحب مشہور عالم تھے،

ڈیانوان | یہان مولنا مولوی شمس الحق صاحب محدث، مولوی حافظ نور احمد صاحب اور مولوی محمد زبیر صاحب مشہور ارباب علم و دولت تھے، اول الذکروہ مایۂ ناز ہستی ہی جپر اس آخری دور مین ہندوستان جسقدر رچاہے فخر کرسکتا ہے، تمام عمر خدمت علم حدیث مین بسر کرگئے تحصیل حدیث کیلیے آپکے ہان اکثر مدنی یمنی اور نجدی عرب طلبار آتے تھے، مرحوم نے فن حدیث مین سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی جسکو پڑھکر عرب وعجم کی زبان سے بیساختہ صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی، التعلیق المغنی علی الدار قطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے، آخر الذکر افسوس ہے کہ جلد اس دنیا سے رخصت ہوگئے، معقولات اور اقلیدس مین یہ خاص طور پر مہارت رکھتے تھے،

محی الدین پور | وطن مولنا تلطف حسین مرحوم، جو ہندوستان کے مشہور عالم اور طبقۂ المحدثین کے ایک ممتاز و سربرآوردہ رکن تھے،

نگرنہسہ | یہ زمانۂ قدیم سے علمار و فضلا کا گہوارہ ہے، مولنا علیم اللہ، مولنا سلیم اللہ، مولنا امان اللہ، مولنا مدین اللہ، مولنا ابراہیم، مولنا تصدق حسین، خلّاق، مولنا گلزار علی، اور مولنا علیم الدین اسی کی خاک سے اٹھے،

مولنا امین اللہ امین[1]، یہ مختصرات مین مولنا جمال الدین بہاری، مطولات مین مولنا قائم الہ آبادی اور تفسیر و حدیث مین مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے شاگرد تھے انھون نے میرزاہد پر حاشیہ لکھا مسلم الثبوت کی شرح لکھ رہے تھی کہ اسی اثنا مین وفات پائی، انکی ایک تصنیف قصیدہ عظمیٰ شائع ہو چکی ہے، اسمین نعت اور معجزات اور دیگر واقعات حیات طیبہ نبوی کو نظم کیا ہے صحت حسن ترتیب، اور اختصار بیان کا سررشتہ لائق مصنف نے کسی موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہین دیا، زبان فارسی ہے اور وہ اسدرجہ بلند کہ مصنف پر اہل زبان ہونے کا دھوکا ہوتا ہے، ایرانی بھی اسکو پڑھکر جھومتے ہین، مطلع یہ ہے،

مخدرات سراپردہائے قرآنی
چہ دلبراند کہ دل می برند نہانی

مولنا ابراہیم مرحوم، انکی ایک تصنیف فارسی مین مجبی شرح دیوان متنبی مشہور و متداول کتاب ہے مولنا تصدق حسین خلاق فارسی مین ید طولیٰ رکھتے تھے، مذاق نہایت عمدہ اور لطیف تھا، ایک غزل کے تین شعر ملاحظہ ہون،

اے زلف یار بامنت این پیچ و تاب چیست
دل را سپردہ ام بتو دیگر عتاب چیست

آہستہ رو کہ سیر بہ بینم جمال دوست
اے عمر تیز گام ترا این شتاب چیست

مویت سفید گشتہ و خلاق غافلی
از صبح از افق دمید و گر وقت خواب چیست

---

[1] تذکرہ روز روشن،

مولنٰا علیم الدین مرحوم جامع علوم وفنون تھے، سلّم الافلاک اُنکی یادگار ہے[1]

نیمی | یہ مولنٰا ظہیر احسن صاحب شوق مرحوم کا مولد ومنشا رہے، جو عربی فارسی اور اُردو نظم ونثر مین سرآمد روزگار تھے، متعدد مختصرات کو چھوڑکر فن حدیث مین آثار السنن اُنکی ایک مطول تصنیف ہے، اُسکا ایک حصہ چھپکر شائع ہوچکاہے، دوسری جلد کے کچھ اجزار سُنا ہے کہ موجود ہین، لیکن افسوس اخلاف مین کوئی اس قابل نہین کہ اُنکو ترتیب دیکر شائع کرنے کا فرض ادا کرسکے، یہ کتاب جس پایہ کی ہے اسکو کچھ اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہین، اُردو شاعری مین اُنکو ممتاز درجہ حاصل تھا، ایک دیوان اور ایک مشہور مثنوی سوز وگداز اُنکی یادگار ہے،

کھٹّہ | مولوی سعادت حسین صاحب مرحوم مدرس مدرسہ سہارنپور ومدرسہ عالیہ کلکتہ کا وطن،

گیلانی | مولوی احسن صاحب منطقی کا مولد ومنشار،

استھانوان | مولنٰا حافظ وحید الحق صاحب مروم کا وطن ہے، تلامذہ کی جماعت کثیر کے علاوہ آپ کے علمی فیوض کی زندہ یادگار مدرسہ اسلامیہ بہار ہے جو آج تک اس دیار واطراف کے لیے سرچشمۂ علوم کا کام دیتا ہے، دوسرے عالم مولوی محمد احسن صاحب مرحوم بھی یہین کے تھے، یہ زیادہ تر بہار کی خانقاہ محل مین مصروف درس وتدریس رہے،

ولیتہ | مسکن مولنٰا مصطفےٰ بشیر صاحب مدرس اعلےٰ مدرسہ خانقاہ سہسرام، مولنٰا محمد یعقوب صاحب ریاضی دان مدرس بہار،

---

[1] یادگار وطن شوق نیموی،

رحیم آباد | یہ مولنا عبدالعزیز صاحب مرحوم کا وطن ہے،

یہ تو جو کچھ تھا خاص صوبہ بہار مین تھا، لیکن بہار کے علمی فیوض بہار ہی تک محدود نہ تھے، وہان کے اکثر فضلا اپنے وطن سے باہر نکلکر دوسری جگہ کی علمی مجلسونکی بھی رونق بڑہاتے تھے، مثلاً اکثر اشخاص اودھ اور دہلی ابتدائً تعلیم کے لیے آئے اور آخر مین یہین اپنے اساتذہ کے مسند درس پر متمکن ہوگئے، اودھ مین ملّا محب اللہ اور دہلی کے اس آخر زمانہ مین مولنا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اسکی آخری مثال تھے، ثانی الذکر صوبہ بہار کے ایک چھوٹے سے قصبہ سورجگڈھ کے رہنے والے تھے، اُنھون نے علم حدیث کی جو خدمت دہلی مین بیٹھکر کی، اس سے ہر شخص واقف ہے، آج ہندوستان کا کوئی گوشہ آپ کے تلامذہ سے خالی نہین،

صوبہ بہار مین قدیم تعلیم کی جو کثرت تھی اور ہے، اس نسبت سے درحقیقت مخصوص پرانے مدرسون کا علم مجھے کچھ بھی نہو سکا تاہم چند مدرسون کا اجمالی حال معلوم ہوا ہے اور وہ یہ ہین،

سہسرام

یہان حضرت شاہ کبیر علیہ الرحمہ کی خانقاہ سے متعلق ایک عظیم الشان مدرسہ ہے مدرسہ مین ایک وسیع اور عمدہ کتب خانہ بھی ہے جس کی مالیت کا تخمینہ تقریبًا ایک لاکھ روپے بیان کیا جاتا ہے، مدرسہ و خانقاہ کے لیے بہت بڑی آمدنی کی جائداد فرخ سیر اور شاہ عالم کے عہد سے وقف ہے یہ دونون مقامات اب تک اس دیار مین سرچشمۂ

فیوض و برکات ہین (آثار خیر)

مدرسہ دانا پور

دانا پور مین نواب آصف خان نے مسجد و مدرسہ کی بنیاد ڈالی، لیکن اسکے عہد مین عمارت تکمیل کو نہ پہونچ سکی، نواب ہیبت جنگ نے اپنے عہد مین ان عمارتونکو مکمل کیا، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اپنی کتاب غرابت نگار مین لکھتے ہین،

ان عمارتون کی خوشوضعی کو وہان کی کوئی دوسری عمارت نہین پہونچسکتی،

مدرسہ خانقاہ پہلواری

صوبہ بہار مین اس قصبہ کو جو پٹنہ سے ۶ یا ۷ میل پر واقع ہے، وہی درجہ حاصل ہے جو اودھ مین فرنگی محل کو، یہان کا سجادہ اور خانقاہ جب سے قائم ہے، علوم ظاہری و باطنی کا مرکز ہے، یہ خاص خصوصیت اس خانقاہ کی ہے کہ یہان کے سجادہ نشین صاحب درس علماء بھی تھے، جب جب ادہر سے مشہور علماء کا گذر ہوا ہے، تو وہ یہان ضرور تشریف لائے ہین، مثلاً ملا بحر العلوم جب بوہار (بنگال) تشریف لیگئے ہین، تو اُنھون نے یہان بھی قیام کیا، مولٰنا اسمٰعیل شہید و مولٰنا عبدالحی دہلوی بھی یہان تشریف لائے،

بہار کا یہ فخر بھی قابل ذکر ہے کہ وہان کے علماء ہندوستان کے اکثر علمی کارنامون مین شریک رہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری کے جمع و ترتیب مین بھی بہار کے دو عالم شریک تھے، اسمین سے ایک اسی پہلواری کے باشندہ تھے، اور دوسرے مونگیر کے،

پہلواری کی خانقاہ مین علماء مدرسین ہمیشہ رہے اور آج بھی رہتے ہین، وہان

طلبار کو جاگیر ین ملتی ہین، اور سلسلۂ تعلیم و تدریس برابر جاری رہتا ہے، بحمداللہ کہ یہ سلسلہ آج تک کبھی منقطع نہوا

مدرسہ پٹنہ

خاص شہر عظیم آباد مین ایک محلہ ہی مدرسہ مسجد کے نام سے موسوم ہے، مسجد کی عمارت ابتک قائم ہے، سلسلہ عمارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتین دور تک پھیلی ہوئی تھین، موقع نہایت عمدہ ہے یعنی یہ مسجد بالکل دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے، مسجد نہایت دسیع ہے، آس پاس کی عمارتین منہدم ہو گئی ہین، گو ابھی کسیقدر جا بجا در و دیوار باقی ہین لیکن اس قابل نہین کہ موجودہ آثار باقیہ سے انکی اصلی ہیئت و شان کا پتہ لگایا جاسکے، اب قرب و جوار کے اہل محلہ اسکی زمین کو اپنے مکانون مین شامل کرتے جاتے ہین، جس سے کچھ دنون مین بقیہ آثار بھی مٹ جائین گے،

مجھے کسی کتاب یا کتبہ سے تصریح نہ معلوم ہو سکی لیکن عظیم آباد کے بڑے بوڑھونکی زبانی یہ روایت سُننے مین آئی کہ ان عمارتون کا تعمیر کرنیوالا سیف خان نامی کوئی امیر تھا اس نام کا ایک صوبہ دار بہار و بنگال جسکا صدر مقام پورنیہ تھا بے شبہہ گذرا ہے ممکن ہے اسی نے پٹنہ مین یہ عمارتین بنوائی ہون ایک اور سیف خان صوبہ دار بھی جو بہت علم پرور تھا گذرا ہے، لیکن اُسکی مدت اقامت کم و بیش دو سال کی ہے، اس قلت مدت کیوجہ سے یہ نہین خیال ہو سکتا کہ یہ عمارتین اسی نے تعمیر کرائی ہین، کیونکہ اس سلسلۂ عمارت کی وسعت و شان کم از کم چھ سات سال کی مدت چاہتی ہے،

خاص پٹنہ کے محلہ صادقپور مین جو مشہور خاندان ہے وہ صرف علم و فن کے لیے مشہور ہے، اس خاندان مین متعدد علمار کبار پیدا ہوئے جن کی سوانح عمریان شائع ہوچکی ہین، اور جن سے اکثر اشخاص واقف ہوچکے ہین اسلیے یہان پر مجھے تفصیل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہین، یہان کے ہر عالم نے درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا، خاندان دولتمند تھا اسلیے بہت کچھ طلبار کی کفالت یہین سے ہوتی تھی، پٹنہ مین شمس العلما مولوی سعید صاحب ایک مشہور رئیس صاحبِ علم و فضل گذرے ہین، جنکا نام بھی ہمیشہ علمی دنیا مین وقعت کے ساتھ لیا جائے گا،

آخری دور مین مولنا حکیم عبد الحمید صاحب، مولوی عبد الباری صاحب، مولوی کمال صاحب علی پوری مولنا عبد الحکیم صاحب صادقپوری یگانۂ روزگار و فخر علم و فن تھے، اسوقت بھی اس شہر مین متعدد مدارس عربیہ قائم ہین،

مدارس بنگال

بہار کے تذکرہ مین یہ بتایا جاچکا ہے کہ محمد بختیار خلجی سب سے پہلا امیر ہے جو ان حدود کو فتح و مسخر کرسکا، اسکی فتوحات کی سرحد بنگال کے قدیم شہر ندیا تک وسیع تھی، بختیار نے قدیم شہر ندیا کی جگہ رنگ پور نامی شہر آباد کیا، اور وہان متعدد مسجد، مدرسے اور خانقاہین تعمیر کرائین، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"در سرحد بنگالہ در عوض شہر نودیا شہرے موسوم بہ رنگ پور بنا کردہ دار الملک خود ساخت و مساجد و خانقاہ و مدارس دران شہر و ولایت برسم اسلام بر رونق درواج

تمام مزین و محلی گردانید، (فرشتہ جلد دوم)

غیاث الدین صوبہ دار بنگال نے مسند نشین ہوتے ہی ایک مسجد ایک مدرسہ اور ایک کاروان سرا لکھنوتی[1] مین بنایا،

قریہ عمرپور مین ایک مقام ہے جسکا نام ابتک "دربساڑہ"[2] یعنی مدرسہ مشہور ہے، اُسکے باقیماندہ درو دیوار پر ایک کتبہ ہے، جس سے اُسکی تعمیر عہد یوسف شاہی کی معلوم ہوتی ہے، اس کتبہ مین ایک مسجد کا بھی ذکر ہے جسکے آثار اب بالکل نہین ملتے، اثریات ہند کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مدرسہ کی عمارت سے ملحق تھی،

ایک مدرسہ اتھی پور مین بھی تھا جسکے باقیماندہ نشانات کا نام ابتک مدرسہ ٹیلہ ہے[3] گور مین ایک مربع عمارت کے آثار ساگر ڈگھی کے شمالی کنارہ پر موجود ہین، جسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ تھا، قیاس غالب یہ ہے کہ اس مدرسہ کا بانی حسین شاہ ہوگا، عمارت کے موجودہ آثار بتاتے ہین کہ یہ مدرسہ نہایت خوبصورت عظیم الشان اور وسیع ہوگا، جا بجا سنگ مرمر اور سنگ سُرخ کے نشانات ملتے ہین، جس سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ عمارت گور کی دوسری قدیم عمارتون کی بہ نسبت زیادہ باشان و شوکت اور عمدہ ہوگی،

خورشید جہان نامہ کے مصنف الٰہی بخش حسینی کے بیان سے گور محلہ غرہ شہید یا گور شہید مین ریاض السلاطین کے مصنف غلام حسین کے مکان کے قریب بھی ایک مدرسہ کا

---

[1]، [2]، [3] از کتاب بابو نرندرا ناتھ لا،

پتہ چلتا ہے، اس مدرسہ کے باقیماندہ عمارت پر جو کتبہ ملا ہے اس سے بانی کا نام حسین شاہ ظاہر ہوتا ہے، کتبہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے،

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے اطلبوا العلم ولو کان بالصین یہ مدرسہ عالیشان سلطان عظیم سید السادات علاء الدنیا والدین ابو المظفر حسین شاہ الملک الحسینی خلد اللہ ملکہ کے حکم سے یکم رمضان ۹۰۷ھ مین بنایا گیا،"

گور کے ان دونون مدرسون کا تذکرہ نرندر ناتھ لا نے اپنی کتاب "ہندوستان کی علمی ترقی" مین کیا ہے، حاشیہ پر ریونشا صفحہ ۴۳ اور ۸۰ کا حوالہ دیا ہے، لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ دو مدرسے نہین ہین، دراصل ایک مدرسہ ہے اور چونکہ خورشید جہان نامہ کے مصنف نے اسکا پتہ دوسرا دیا ہے، اس سے دھوکا ہوا اور دو مختلف مدرسے سمجھ لیے گئے، یا یہ کہ پہلے مدرسہ کے بانی کا نام حسین شاہ جو قیاس کیا گیا ہے یہ غلط ہے، کسی دوسرے نے اسکو بنوایا ہو، اس صورت مین البتہ یہ دو مدرسے ہو سکتے ہین،

ڈھاکہ

امیر الامرا شائستہ خان، عالمگیر کا ماموں اور عہد شاہجہانی و عالمگیری کا ممتاز امیر، جو مختلف حصص ملک کا ناظم رہا تھا، اور جہان جہان گیا، اس نے اپنی یادگارین چھوڑی تھین، جسکی نسبت مصنف ماثر الامرا لکھتا ہے کہ

"آثار خیر از قبیل رباط و مسجد و جسر (کہ لکھا بصرف آن رفتہ) در چار دانگ ہندوستان ازو سے بسیار یادگار" صفحہ ۷۰۵ جلد دوم،

اُس نے یہان لب دریا ایک مدرسہ مع مسجد بنوایا، یہ مدرسہ گذشتہ صدی کے نصف اول تک قائم تھا کچھ دنون ویران رہنے کے بعد اب مدرسہ کی عمارت ایڈن ہاسپٹل مین شامل کر لی گئی ہے، اسوقت صرف کنارِ دریا ایک گھاٹ اور مسجد باقی ہے، مسجد پر کتبہ تھا، لیکن آتشزدگی سے خراب ہوگیا ہے، تاہم جسقدر حصہ پڑھا جاتا ہے وہ یہ ہے،

اَلحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین امابعد آنکہ چون این مقام خجستہ فرجام

خیرخواہ فقرا امیدوار رحمتِ حق جل وعلا شائستہ خان امیرالامرا احداث نمودہ وقف

شرعی کردہ کہ تمام محصول این بصرف تعمیر و وظیفہ خدمت مسجد و مستحقین و متوکلین

.... حکام ذوی الاقتدار و امرا نامدار این امر خیر مستمر و مستقر دارند کہ درین وقف ...

نماید.... حق محروم خواہد شد.... کردہ ....، مستحقین ..... شد سال .....،

حکیم مولوی حبیب الرحمن صاحب (ڈہاکہ) تحریر فرماتے ہین کہ نواح ڈہاکہ کے مشہور بزرگ "شاہ نوری علیہ الرحمۃ" نے اپنی کتاب "کبریت احمر" مین تحریر فرمایا ہے کہ وہ اپنی ابتدائی عمر مین روزانہ "مغ بازار" سے جو شہر سے تقریبًا چار میل دکھن کیطرف مشہور گاؤن ہے اس مدرسہ مین پڑھنے کے لیے آتے تھے، یہ تقریبًا ۱۱۲۰ھ کا واقعہ ہے، نیز حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میرے پاس "فتاوی خانیہ" کا ایک نسخہ موجود ہے جسکو کسی طالب علم نے ۱۱۴۳ھ مین اسی مدرسہ مین بیٹھکر نقل کیا تھا،

شائستہ خان کے نامکمل قلعہ سے کوئی دو فرلانگ پچھم ایک عظیم الشان مسجد ہے،

---

(۱) جناب حکیم صاحب کا ممنون ہون کہ آپنے مدارس ڈہاکہ کی نقل کتبات بھیجکر میری مدد فرمائی ہے،

جو خان محمد میردہ کی مسجد کہلاتی ہے، یہ عمارت دو منزلہ ہے نیچے کے کمرے طلبا کے لیے دارالاقامہ تھے، اور صحن مسجد کے شمالی جانب چاروں طرف کھلے ہوئے وسیع اور ہوا دار کمرے مدرسہ کے نام سے ابتک موجود و مشہور ہین، مسجد مین حسب ذیل کتبہ منقوش ہے،

بعہدِ شاہ اہلِ ہمت و داد — کہ داد اتقیا و شرع و دین داد
زہے شاہے کہ باشد زیب اورنگ — خہے ملے کہ مہرش گشتہ منقاد
دلِ صدق آشنائے حامی شرع — عباد اللہ قاضی کرد ارشاد
کہ از بہرِ عبادت خان محمد — کند مسجد بصدق خویش بنیاد
بفکرِ سالِ تاریخش چو رفتم — ندائے ہاتفی از غیب در داد
سرِ کفر از بنائش رفت بر باد — ز طاعت خانہ اش تاریخ ایجاد

اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے محمد اعظم کے نام پر ڈھاکہ مین ایک محلہ اعظم پورہ آباد ہے ۱۱۱۶ھ اس محلہ کے میدان مین ایک دو منزلہ مسجد ہے، اس مسجد کے بالائی حصہ مین شمالی جانب چند نہایت ہوا دار اور وسیع کمرے مدرسہ کے نام سے ابتک زبان زد عام ہین کتبہ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ تصوف و علوم باطن کی مشق گاہ تھا، ممکن ہے کہ بعد علوم باطن کی جگہ علوم ظاہر نے لیلی ہو اور اسی دن سے اسکا نام مدرسہ مشہور ہوگیا ہو، کتبہ کی عبارت منظوم یہ ہے،

عارف حق شناس فیض اللہ — ساختہ مسجدے بوجہ الحق
باد بہرِ حصول عین یقین — عابدان را وسیلۂ اوثق
مسکنِ ذاکران صاحبِ شوق — مثلِ قصرِ بہشت پُر رونق

پئے تاریخ آن عبادت گاہ	دردلم ریخت، نئے معنئے الیق	
انہ مامن کبیت اللہ	معبد جامع لاھل الحق	

۱۱۶۰ھ

مرشد آباد

سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ علی وردی خان مرشد آبادی جو علوم وفنون کا شیدائی تھا، اُس نے عظیم آباد سے متعدد علما، وفضلا کو مرشد آباد آنے کی دعوت دی اور اُنکے لیے گرانقدر وظائف مقرر کئے، جو علما اسکی دعوت پر عظیم آباد سے مرشد آباد گئے، اُن مین سے چند کے نام یہ ہین: میر محمد علی حسین خان، علی ابراہیم خان اور حاجی محمد خان وغیرہ، ان لوگون مین اول الذکر ایک بہت بڑے کتب خانہ کے مالک تھے، جسمین دو ہزار مجلدات تھین،

مرشد آباد مین ایک عالیشان مدرسہ کٹرہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے جس کی شاندار عمارت ابتک اپنے گذشتہ عہد عظمت کو یاد دلارہی ہے، اس مدرسہ کا بانی جعفر خان تھا،

نرندرناتھ لا کی کتاب[۱] کے صفحہ ۱۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کے ایک مقام سیلاپور نامی مین اٹھارہوین صدی عیسوی کے آخر تک چند تعلیمی مقامات باقی رہ گئی تھے جنکو ہندوستان کے عہد ماضی کی علمی یادگار سمجھنا چاہیے، ان مدرسون مین ہندو اور مسلمان دونون عربی اور فارسی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے تھے،

[۱] کتاب نرندر ناتھ لا،

گو موجودہ زمانہ مین مسلمانان بنگال تعلیمی حیثیت سے کوئی اہمیت نہین رکھتے لیکن انکا عہد ماضی یقیناً اس حیثیت سے بہت شاندار ہے، مذکورہ بالا مدارس حکومت و امرا حکومت کے قائم کیے ہوئے تھے لیکن وہان کے عام اشخاص و زمیندار بھی اپنے صوبہ کی تعلیمی ترقی مین بہت کچھ دلچسپی اور حصہ لیتے تھے، چنانچہ اسٹوارٹ اپنی تاریخ بنگال مین لکھتا ہے کہ بیر بھوم کے ایک بڑے زمیندار اسد اللہ نامی نے علوم و طلبار و علمار کی خدمت و اعانت کے لیے اپنی نصف جائداد وقف کر دی،

بوہار

علاقہ بردوان کے ایک گاؤن بوہار کے زمیندار اعظم منشی صدر الدین کی درخواست و اصرار پر مولنا بحر العلوم مرحوم وہان تشریف لے گئے، اور منشی صدر الدین نے خاص بوہار مین ایک مدرسہ مولنا ممدوح کے لیے قائم کیا، جسمین ایک عرصہ تک مولنا مشغول درس و تدریس رہے، غالباً یہ مدرسہ ۱۲۰۰ھ کے بعد قائم ہوا ہوگا، صحیح تاریخ بنا نہین معلوم ہو سکی، مولنا کی تنخواہ چار سو روپے علاوہ سو شاگردون کا وظیفہ منشی صدر الدین نے مقرر کیا[۱]،

یہان مولنا کے مشہور شاگردون مین ایک شخص سید غلام مصطفیٰ بردوانی پیدا ہوئے جو کچھ دنون کے لیے ضلع اٹاوہ کے مفتی رہے، اور اسکے بعد اپنے حوالی وطن مین ضلع بیر بھوم کے مفتی مقرر ہوئے، یہ فارسی شاعری کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے[۲]، انکے

۱؎ اغصان اربعہ، ۲؎ تذکرۂ صبح گلشن،

دو شعر یہ ہین،

دی کہ نہال قامتش جلوہ گر از نظر گذشت | دل ز شکیب باز ماند جان ز قرار در گذشت
عشق چہ آفت آورد ہر گز ازان خبر نبود | ہیچ مپرس سر گذشت برق بلا ز سر گذشت

مدارس دکن

ہندوستان کے جس گوشہ مین مسلمانون کا قدم پہونچا اور اسلامی حکومتین سایہ گستر ہوئین تاریخ شاہد ہے کہ اِس کا ذرہ ذرہ علمی ترقیون کے آب وتاب سے چمک اٹھا ابتک مین نے شمالی ہند کے مدارس ومکاتب کے حالات لکھے جس سے ہر شخص پر واضح ہوگیا ہوگا کہ مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کی تعلیمی ترقی کے لیے کیسی زبردست کوششین کی ہین، اب مین جنوبی ہند کیطرف متوجہ ہوتا ہون اور وہان کی تعلیمی ترقیونکے متعلق جو کچھ بھی تاریخی معلومات فراہم ہوسکے انکو پیش کرتا ہون،

بدر

یہ مدرسہ نہ صرف دکن کی عمارات وآثار قدیمہ بلکہ ہندوستان کی علمی تاریخ مین ہمیشہ عظمت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے اس مدرسہ کا بانی محمد شاہ بہمنی کا مشہور علم پرور وزیر خواجہ جہان محمود گاوان ہے، مدرسہ کی عمارت ابتک قائم ہے اور سیاحان عالم کے لیے مائیہ عبرت ہے، اگر اسکے بعض حصے منہدم وشکستہ ہین لیکن اسکی شان وشوکت وسعت واستحکام کی پوری ہیئت آج بھی دیکھنے والے کو بیک نظر معلوم ہوجاتی ہے، یہ مدرسہ فراز کوہ پر قائم کیا گیا تھا، عمارت کا طول شرقاً وغرباً (۵۷)، اور عرض شمالاً وجنوباً (۵۵)

گز ہے مدرسہ کے سامنے دو بلند مینار تھے جن مین سے ایک مینار ابھی تک موجود ہے،
اسکی بلندی سو فٹ کی ہے، صحن مدرسہ مین مسجد تھی، اور ہر چہار طرف مسلسل وسیع حجرے طلبا
وعلمار کی اقامت کے لیے بنے ہوے تھے جو طلبار مدرسے مین رہتے تھے اُنکے مصارف
قیام وطعام وقف سے دیے جاتے تھے، مدرسہ کے لیے دور سے نلون کے ذریعہ سے آبرسانی
کا سامان کیا گیا تھا، الغرض تمام ہندوستان مین اس سے زیادہ عظیم الشان اور وسیع
سلسلۂ عمارت درسگاہ کے لیے کبھی اور کسی دَور مین نہین بنا،

محمود گاوان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسکی وفات کے بعد اسکے
مکان سے بروایت حدیقۃ الاقالیم مصنفہ میر تقی حسن پینتیس[۳۵] ہزار کتابین مختلف علوم وفنون
کی نکلین۔ مدرسہ بدر کی تاریخ بنا اس عہد کے ایک شاعر سامعی نے آیت ربنا تقبل منا
سے نکالی اور اسکو اسطرح ایک رباعی مین جگہ دی ہے،

این مدرسہ رفیع محمود بنا	چون کعبہ شدہ است قبلۂ اہل صفا
آثار قبول بین کہ شد تاریخش	از آیت ربنا تقبل منا

گلبرگہ

احمد شاہ بہمنی نے اپنے پیر سید محمود گیسو دراز کے لیے گلبرگہ کے مضافات مین کسی
مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا صحیح طور پر مقام کی تعیین نہین ملی نرندر ناتھ لا نے اپنی کتاب
مین اس مدرسہ کا تذکرہ کیا ہے اور سنہ بنا ۱۴۲۲ء لکھا ہے، چونکہ احمد شاہ بہمنی پیر مذکور
رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اسلیے روایت کا صحیح و درست ہونا ممکن ہے مگر یہ ضرور ہے کہ یہ

مدرسہ خانقاہی مدرسونکے انداز پر ہوگا،

گولکنڈہ

مصنف آثار خیر بحوالہ تاریخ ہند شمس العلمار مولوی ذکا اللہ لکھتا ہے کہ ابراہیم قطب شاہ والی گولکنڈہ نے اپنے دار الخلافت مین کئی مدرسے تعمیر کرائے تھے،

چہار مینار (حیدرآباد)

محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ نے خاص حیدرآباد مین متعدد مدرسے قائم کیے تاریخ عزیز دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ چہار مینار کا سال بنا ۹۹۰ھ ہے، اسمین ایک بہت بڑا مدرسہ تھا، تھیوی ناٹ سیاح نے اپنے سفرنامہ مین اُسکے حالات لکھے ہین اور اُسکی بڑی تعریف کی ہے،

قطب شاہ علوم وفنون کا مربی اور اشاعت تعلیم کا بہت بڑا حامی تھا، تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے حدود مملکت مین بکثرت مدارس قائم کیے، ایک یورپین مصنف شائرل اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ

”اُس نے جنوبی ہند مین ابتدائی مدارس بکثرت قائم کیے، لڑکے ان مدارس مین بینچو نپر بیٹھتے ہین اور نرکل سے چینی کاغذ پر لکھتے ہین جو بہت چکنے مگر صفائی مین یورپین کاغذ سے کم رتبہ ہوتے ہین،

مدارس بہمنیہ

محمود شاہ جو خاندان بہمنیہ کا مشہور و معروف فرمانروا گذرا ہے، اسنے اپنے حدود

مملکت مین یتامیٰ کے لیے بکثرت مدرسے قائم کیے، تعلیم کے لیے مشہور مدرسین کو جمع کیا، تمام
اخراجات تعلیم شاہی خزانے سے ملتے تھے، یہ بہت بڑا شائق علوم اور عالم دوست بادشاہ گذرا
ہے، وہ خود بھی بڑا لائق وفاضل اور فلسفہ وحکمت مین ماہر تھا، اسی بنا پر رعایا نے اُسکو
"ارسطو" کا لقب دیا تھا، چھوٹے مقامات کو چھوڑ کر اُسکی مملکت کے بڑے مقامات جہان دار الیتامیٰ قائم تھے یہ ہین،

گلبرگہ، بدر، قندہار، ایلچپور، دولت آباد، چاؤل، داہل، جنیر،

اسکی نسبت فرشتہ لکھتا ہے،

وجہت محدثان اخبار حضرت نبوی صلعم در شہرہاے کلان وظائف مقرر کردہ و در تعظیم
ایشان میکوشید، ونابینایان را مشاہرہ دادہ تفقد حال ایشان می کرد،

بیجاپور

تاریخ دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کے زمانہ مین آثار شریف اور جامع مسجد
بیجاپور مین دو دو مدرسے عربی ایک فارسی اور کئی مکتب تعلیم قرآن کے لیے جاری تھے،
یہان غریب طلبار کو کھانا اور جیب خرچ کے لیے ماہوار فی کس ایک ایک ہون ملتا تھا
اختتام سال پر ذی الحجہ کے مہینہ مین امتحان ہوتا تھا، امتحان کے بعد انعامات تقسیم
ہوتے تھے، اور فارغ التحصیل طلبار کو حسب قابلیت واستعداد سرکاری نوکریان ملتی تھین،
اِنکے علاوہ تمام ممالک محروسہ کی بڑی مسجدون مین مدرسے قائم تھے، جنمین طلبار
کے اخراجات کی کفالت حکومت کی طرف سے کیجاتی تھی، (آثار خیر)

احمد نگر

برہان نظام شاہ نے شیعی مذہب قبول کیا، اور ترویج شیعیت کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے منجملہ اُنکے ایک مدرسہ اثنا عشری کا قیام بھی ہے، جسکی عمارت اُس نے خاص قلعہ احمد نگر کے مقابل بنوائی تھی، اُسکے قریب ایک لنگر خانہ بنام لنگر دوازدہ امام قائم کیا، اور اس مدرسہ و لنگر خانہ کے مصارف کے لیے متعدد گاؤں جونپور، سنور، اسیاپور وغیرہ وقف کیے، مصنف آثار خیر کا بیان[۱] ہے کہ نظام شاہ نے احمد نگر مین ایک اور مدرسہ بغداد نامی قائم کیا تھا،

برہان پور

دریاے تاپتی کے ساحل پر ایک مدرسہ واقع تھا، سلاطین خاندیس مین سے کوئی سلطان اس مدرسہ کا بانی ہوا ہے، نام کی تصریح نہین مل سکی اور نیٹیل انوین کے مصنف نے ۱۸۲۰ء مین اس مدرسہ کے آثار کو دیکھا تھا اور اُسکا تذکرہ بہت شاندار الفاظ مین کیا ہے،

دولت آباد

یہ مدرسہ بھی سلاطین خاندیس مین سے کسی کی علمی و تعلیمی دلچسپیون کا نتیجہ ہے، افسوس ہے کہ اسکے علم پرور بانی کے نام کی تصریح مجھکو نہ مل سکی، شیخ ضیاء الدین اور شیخ برہان الدین اس مدرسہ کے مدرسین تھے،

---

[۱] مصنف نے یہان ساتھ ساتھ اس مسجد کا بھی ذکر کیا ہے جو شاہ حسین نظام شاہ کے عہد مین عمارت بغداد کے متصل قاضی بیگ طہرانی کے زیر اہتمام تیار ہوئی، حاشیہ پر حوالہ فرشتہ کا دیا ہے، بے شبہہ فرشتہ مین بغداد نامی عمارت واقعہ قلعہ احمد نگر کا ذکر تو ہے، لیکن مجھے اسکی تصریح نہین ملی کہ یہ مدرسہ بھی تھا،

مدرسہ مدراس

نواب والاجاہ (مدراس) نے مولانا بحر العلوم کی شہرت سنکر انکو اپنے ہان بلوایا، علم پرستی کا جذبہ دیکھیے کہ جب مولانا مدراس کے قریب پہونچے تو نواب نے اپنے ارکان خاندان، اعیان دولت اور وزرا، وامرا، کو استقبال کے لیے بھیجا، مولانا جب دربار مین پہونچے تو خود تخت سے اُتر پڑا اور مولانا کو اُسپر جگہ دی،

والاجاہ نے محل شاہی سے متصل ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کرکے مولانا کو صدر مدرس مقرر کیا جسمین مدت تک مولانا مشغول تعلیم وتدریس رہے، شمالی ہند مولانا کو بحر العلوم کے لقب سے جانتا ہے مگر جنوبی ہند بالخصوص علاقہ مدراس صرف اس لقب سے پہچانتا ہے، جو والاجاہ نے دیا تھا، یعنی ملک العلمار،

مدارس مالوہ

نوین صدی کے آغاز مین دلاور خان نامی ایک امیر نے مالوہ مین ایک مستقل سلطنت قائم کی۔ شادی آباد منڈو کو اس نے اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ سلاطین مالوہ کی علم پروری کے زیر سایہ یہ شہر علم کا مرکز بن گیا۔ اسکی خاک سے متعدد اساطین علم اٹھے خاقانی کا مشہور شارح محمد داؤد علی شادی آبادی اسی کی خاک سے پیدا ہوا۔ اس سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سلطان ہوشنگ کی وفات کے تذکرہ مین جو ۸۳۰ھ مین واقع ہوئی فرشتہ لکھتا ہے

نعش سلطان ہوشنگ را برداشتہ متوجہ مدرسہ شادی آباد منڈو شدند۔ ۔ ۔ ۔

و آنجا بخاک سپردند،

ہوشنگ کے بعد محمد شاہ تقریبًا ایک سال حکومت کرکے مرگیا، اسکے بعد سلطان محمود خلجی مسند آرا ہوا یہ فرمانروا بہترین مدبر و ناظم حکومت ہونے کے علاوہ علوم وفنون کا شائق، تعلیم کا دلدادہ، علمار وفضلار کا پرستار، اور طلباے علوم کا ملجا، وماوی تھا، یہ ۸۳۹ھ مین سریر آراے حکومت ہوا، اُس نے اپنے حدود حکومت مین بکثرت مدارس ومکاتب قائم کیے، علمار وفضلار کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کیا، اور اُنکی ہرطرح ہمت افزائی کی، جس سے اِس ملک مین علم وفن کی یہ گرم بازاری ہوئی کہ ملک مالوہ یونان ثانی کہلانے لگا مصنف ماثر رحیمی لکھتا ہے،

چون سلطنت باد قرار گرفت در تربیت علما وفضلا کوشید مدارس ساختہ زر باطراف واکناف عالم فرستاد، مستعدان وطلب داشت وبالجملہ بلاد مالوہ در زمان اُو یونان ثانی گشت (صفحہ ۱۲۵ جلد اذکر محمود خلجی)

فرشتہ کی عبارت یہ ہے،

وچون سلطنت باد قرار گرفت ہمت بر تربیت علماء وفضلار گماشتہ۔ ہرجا از ارباب کمال کسے رامی شنید زر فرستادہ اورا طلب می نمود۔ در ولایت خود مدرسہ ہا ساختہ علما وفضلا وطلاب را وظیفہا مقرر کردہ بافادہ واستفادہ مشغول گردانید۔ وبالجملہ بلاد مالوہ من جمیع الوجوہ در ایام ولایت او محسود شیراز وسمرقند بود،

شادی آباد مندو کے کھنڈر آج بھی زبان حال سے اپنے عہد ماضی کے قصے

سنا رہے ہین،

سلطان محمود نے جب ۸۴۶ھ مین چتور کی طرف لشکر آرائی کی ہے تو ان اطراف مین بکثرت مدارس و مساجد قائم کیے ہین، ماثر رحیمی مین لکھا ہے،

وبجانب چتور نہضت نمودند و از آب ہم عبور نمودہ بتخانہاے آنولائت راخراب نمودہ مساجد و مدارس ساخت (جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

اسی سنہ مین اس مہم سے واپس آکر خاص پائگاہ دولت مالوہ، شادی آباد (مندو) مین سلطان محمود نے جامع مسجد ہوشنگ شاہی کے مقابل ایک بہت عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے، مصنف ماثر رحیمی ان الفاظ مین تذکرہ کرتا ہے،

"سلطان محمود بشادی آباد آمدور ذی الحجہ سال مذکور مدرسہ و منارہ، ہفت منظر در محاذی مسجد جامع ہوشنگشاہی طرح نمود، (صفحہ ۱۳۳)

سارنگ پور

محمود خلجی کا بنوایا ہوا ایک مدرسہ سارنگ پور مین بھی تھا، اُسکی شکستہ عمارت کے آثار ابتک باقی ہین، کتبہ بھی تھا جسکا پتھر ٹوٹ گیا، اور بیچ کی عبارت تلف ہوگئی، جسقدر باقی ہے وہ یہ ہے،

بنار ہذا المدرسہ فی عہد السلطان الاعظم معین الدنیا والدین محمود شاہ الخلجی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ فی عل ملک مدار یخان الثانی والعشرین من شہر ربیع الاول سنہ سبع وتسعین وثمان مائۃ (آثار خیر)

اسی محمود خلجی کے بیٹے سلطان غیاث الدین کو عورتون کی تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی،

اُس نے دربار عام کی طرح اپنے محلسرا مین بھی ایک شاہی دربار قائم کیا تھا، جسمین عورتین ان تمام مناصب کے فرائض انجام دیتی تھین جو مرد انجام دیتے ہین، جیسے امیر الامرائی، وزارت، وکالت، سرجامہ داری اور خزانہ داری وغیرہ، لیکن ان چیزونکو چھوڑکر خاص طور پر قابل تذکرہ چیزین یہ ہین، جنکا بیان فرشتہ ان الفاظ مین کرتا ہے،

وہمچنین کنیزان را صناعت وہنرہا کہ درجہان شائع ومتعارف است، بیاموخت، چنانچہ بعضی را رقاصی وخوانندگی وسازندہ ومزبارگی تعلیم فرمود وبعضی رازرگری وآہنگری ومخمل بافی وتیرگری وکمان گری وکوزہ گری وجامہ بافی وخیاطی وترکش دوزی وکفش دوزی ونجاری وکشتی گیری وشعبدہ بازی واقسام ہنرہا کہ تفصیل آن موجب تطویل است یاد دارد،

اسی طرح اُسنے عورتونکی ایک فوج بھی مرتب کی اور اُنکو فن سپہگری کی ضروری تعلیم دی، فرشتہ لکھتا ہے،

کہ پانصد کنیز ترک را لباس مردان پوشانیدہ تیراندازی ونیزہ دری بیاموخت وایشان را سپاہ ترک نامیدہ در میمنہ خود جاے داد تا نیزہا در دست گرفتہ ترکش بر میان بستہ بایستند وپانصد کنیز حبشی را از لباس زنان برآوردہ تفنگ اندازی وشمشیر بازی تعلیم کردہ میسرہ بایشان حوالہ نمود،

غرض اسطرح عورتونکی تعلیم وتربیت کے لیے اُسنے اتنے سامان بہم پہونچائے اور اتنی عورتین جمع کین ایک اچھا خاصہ عورتون کا شہر ہی آباد ہوگیا، اُسکے محلسرا مین بہت سی عورتین حافظات قرآن تھین بعض کتابون مین انکی تعداد "ستر" ہے، لیکن فرشتہ ایکہزار لکھتا ہے،

دہزار کنیزک حافظِ قرآن مجید در حرم داشت بایشان فرمودہ کہ ہنگام تغیر لباس باتفاق قرآن مجید ختم کردہ بر دی دمیدہ باشند،

لیکن یہ جو کچھ تھا اسکا محرک انسانیت کے شریک کار جنس لطیف کی تعلیم و تربیت کا خیال تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ طبقہ جاہل اور معطل رکھا جائے تو انسانی ترقی کسی طرح تکمیل کو نہین پہونچسکتی ورنہ سلطان اپنی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے ایک شب زندہ دار زاہد خشک اور خداترس بادشاہ تھا فرشتہ لکھتا ہے،

چون یک پاس از شب ماندے کمر بر بندگی جہان آفرین بستہ باداے لوازم عبادت پرداختے وجبین عجز و انکسار بر زمین نیاز سودہ مطالب و مآرب خود از درگاہ احدیت دریوزہ کردے و باہل حرم نیز مبالغہ فرمودہ بود کہ جہت نماز تہجد او را بیدار میکردہ باشند و عندالاحتیاج آب بر روے اُدمی پاشیدہ باشند و اگر در خواب گران باشد بزور بجنبانند۔ و اگر بان ہم بیدار نشود دستش گرفتہ برخیزانند و نیز بازویکان فرمودہ بود کہ در وقت عشرت و خوشدلی بنخنان دنیا ہر چہ کہ اسم کفن بر دنہادہ بودند بنظرش می آوردند تا متنبہ شدہ عبرت گرفتہ از مجلس برمیخواست و تجدید وضو کردہ باستغفار و توبہ و انابت می پرداخت و در مجلس اُو اصلا نامشروع و انچہ غم آورد نمی گفتند و بمسکرات ہرگز رغبت نمی نمود،

غور کرو اس طرز زندگی کا انسان کسدرجہ زاہد مزاج اور خداترس ہوگا، آج ان اخلاق کا مجموعہ انسان بادشاہون مین تو کیا گداؤن مین بھی ہزار دو ہزار مین ایک آدھ ہی ملسکتا ہے،

ظفر آباد

سلطان غیاث الدین خلجی نے ایک مدرسہ ظفر آباد نعلچہ مین تعمیر کرایا تھا، جو سلطان محمود ثانی کے عہدِ حکومت تک قائم تھا، (آثار خیر)

صوبہ مالوہ کی اسلامی تعلیمی یادگارون مین اجین کا مدرسہ بھی قابل ذکر ہے، جسکے بانی کی تصریح نہین ملسکی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت گذشتہ صدی تک باقی تھی، مصنف تزک[۱] افغانی اسکی نسبت لکھتا ہے کہ

یہان ایک مدرسہ عالیشان بادشاہی تھا اسکے حجرات جوابتک باقی ہین انہین راقم نے بیل بندھے ہوے دیکھے اور مدرسہ سے ملحق مسجد مین گھانس بھری ہوئی پائی، (آثار خیر)

مدارس ملتان واچہ

مدرسہ فیروزی

اچہ مین اس نام کا ایک مدرسہ تھا، یہ معلوم نہین کہ اسکا بانی کون تھا اور یہ کب قائم ہوا اتنا معلوم ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے عہد مین یعنی چھٹی صدی مین یہ مدرسہ موجود تھا، چنانچہ مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے کہ اس مدرسہ کا انتظام و انصرام ناصر الدین نے ۶۲۴ھ مین میرے سپرد کیا اسکے الفاظ یہ ہین،

ودرین سال (یعنی اربع وعشرین وستمائۃ) در ماہ ذی الحجہ مدرسہ فیروزی اچہ حوالہ این داعی شد (صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)

---

[۱] سنہ ۱۲۹۶ھ کی تالیف ہے،

اسی ناصر الدین قباچہ نے جو ایک طویل مدت تک قطب الدین ایبک کی طرف سے مملکت ملتان واچہ کا والی رہا، اپنے ایام حکومت مین جب مولٰنا قطب الدین کاشانی وارد ملتان ہوئے تو ایک مدرسہ قائم کیا جس مین مدتون تک مولٰنا مشغول تعلیم و تدریس رہے فرشتہ لکھتا ہے،

چون مولٰنا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بملتان رسیدہ شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود، و مولٰنا کہ علامۂ روزگار بود بامداد دران مدرسہ نماز گزاردہ بدرس گفتن بپرداخت، (فرشتہ ذکر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی)

سلاطین ملتان مین سے حسین شاہ لنکا علوم و فنون کا بہت بڑا مربی گذرا ہے، مصنفین و ارباب فضل و کمال کا سرپرست و مددگار تھا، ہمیشہ مالی اعانت اور مناصب و وظائف سے اُن کی ہمت افزائی و قدر کیا کرتا تھا، جسکے باعث اُسکے حدود حکومت مین فضلاء و ارباب علم و فن کی بڑی کثرت و جمعیت ہو گئی تھی اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی حکومتون مین ممتاز تھا، شاہ حسین لنکا نے متعدد مدرسے قائم کیے جن مین ممتاز و مشہور اساتذۂ وقت مشغول درس و تعلیم رہتے تھے،

یہ واقعہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہے کہ اُسنے اپنا ایک معتمد خاص گجرات اس لیے بھیجا تھا کہ وہان کی عمارتون کی نسبت تفصیلی اطلاع بہم پہونچائے، جب اس معتمد نے یہ اطلاع دی کہ شاہ حسین با این ہمہ دولت گجرات جیسی عمارتین نہین بنوا سکتا تو اس سے بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا، لیکن وزیر سلطنت نے یہ کہہ کر تسلّی دی کہ اگر گجرات کو اپنی عمارتون پر

تا زہے تو ملتان کو اپنے علم و فن پر فخر ہے فرشتہ لکھتا ہے،

چون قاضی از گجرات بملتان آمده بعد از ادائے رسالت خواست کرشمه از خوبیہائے منازل شاہان گجرات معروض دارد این گفت کہ زبان در بیان توصیف آن عمارات الال است لیکن گستاخی نموده بعرض میرسانم کہ اگر محصول یکسالہ تمام مملکت ملتان بتعمیر مثل قصرے ازان قصور خرج شود معلوم نیست کہ باتمام رسد سلطان از شنیدن این سخن مغموم و محزون گشت عماد الملک تولک کہ شغل وزارت باو تفویض بود قدم جرات پیش نهاده معروض داشت کہ بقائے ملک تا قیامت مقرون باد، سبب حزن معلوم نیست. گفت باعث حزن اینست کہ لفظ شاہی برمن اطلاق نموده اند واز معنی شاہی محرومم، وباوجود آن حشر من روز قیامت بہ بادشاہان خواہد بود، عماد الملک تولک گفت خاطر شاہ ازین رہگذر رنگدر وملول نباشد زیرا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ہر ملکے را بفضیلے مخصوص ساختہ کہ آن در مملکت دیگر عزیز ومحترم است، مملکت گجرات ودکن ومالوه وبنگالہ اگرچہ زرخیز است واسباب تنعم آنجا بروجہ احسن میشود واما مملکت ملتان ہم نیز است چہ بزرگان ملتان ہرجا کہ رفتند عزیز ومحترم گشتند والحمد للہ والمنہ کہ از طبقہ علیہ شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین زکریا قدس اللہ سره چندکس در ملتان حاضر اند واز طبقہ علمائش مولانا فتح اللہ شاگرد مولانا عزیز اللہ از خاک پاک ملتان مخلوق شده اند کہ اکثر ہندوستان بوجود این عزیزان افتخار کنند (جلد دوم ذکر سلطان حسین لنگا)

بدارش کشمیر

سلطان سکندر جس کا سال وفات ۸۱۹ھ ہے، کشمیر کا وہ علم پرور بادشاہ گذرا ہے جسکے

زمانہ مین ملک کشمیر علمی شان و شکوہ مین عراق و خراسان کا ہمسر بنگیا تھا، بادشاہ کی علمی قدر دانی و فیاضی نے اطراف و اکناف عالم کے علماء کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا جسکا لازمی نتیجہ کشمیر کی تعلیمی و علمی ترقی تھا، افسوس ہے کہ کوئی مفصل تاریخ پیش نظر نہین، جس سے تفصیلات حاصل کیجاسکین، البتہ فرشتہ نے اجمالاً یہ لکھا ہے اور شہادت کے لیے اتنا بھی کافی ہے،

وسلطان سکندر بمرتبۂ سخاوت داشت کہ از شنیدن آوازۂ آن دانشمندان عراق وخراسان وماوراء النہر بلازمتش آمدند و علم و فضل واسلام در مملکت کشمیر رواج تمام پیدا کردہ نمونۂ عراق وخراسان گردید،

شاہ از جملہ علما سید محمد نام عالمے راکہ سرآمد روزگار بود بسیار تعظیم می نمود و آداب دین از وے می آموخت،، (صفحہ ۳۴۱ جلد دوم ذکر سکندر)

سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ مین تخت نشین حکومت ہوا، اسنے اپنے حسن تدبیر و مساعی جمیلہ سے سارے ملک کو ہر طرح کی دولت ترقی سے مالامال کردیا کشمیر مین حکومت کیطرف سے تاریخ نویسی کا ایک محکمہ قائم تھا چنانچہ سلطان زین العابدین کے زمانہ مین ایک ہندو مصنف کے قلم سے کشمیر کی مفصل تاریخ راج ترنگنی اسی محکمہ کے زیر اہتمام مرتب ہوئی سلطان زین العابدین نے ایک محکمہ تراجم کا بھی قائم کیا تھا، چنانچہ آئین اکبری مین لکھا ہے کہ،

سلطان زین العابدین از دانش منش وخرد پژوہ بود...... وفراوان نامہ را از عربی وکشمیری وہندی ترجمہ کرد (صفحہ ۱۸۵ جلد دوم)

گو مدارس کی نسبت کچھ تفصیلی معلومات نہین ملسکے تاہم یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایسا عالی دماغ بادشاہ اشاعت تعلیم جیسی ضروری شے کو نظر انداز کر گیا ہوا ور اسکے لیے اسنے کوئی کوشش نہ کی ہو،

حسین چک شاہ کشمیر نے ۹۸۵ھ یا ۹۰ھ مین ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا اور بڑے بڑے علما، و فضلا، کو جمع کر کے اشاعت علوم و فنون کی بڑی کوشش کی، یہ علم پرور بادشاہ اپنا زیادہ وقت علما، و صلحا، کی خدمت مین گذارتا تھا، جو مدرسہ اُس نے قائم کیا اُسکے مصارف اور علما، کی اعانت کے لیے ایک پرگنہ زین پور نامی متعین کردیا، فرشتہ لکھتا ہے،

"حسین چک مدرسہ بنا نمودہ با علما، و صلحا، آنجا صحبت میداشت و پرگنہ زین پور را بجاگیر این طائفہ مقرر کرد" (جلد دوم ذکر حسین شاہ کشمیر)

اکبری عہد حکومت مین شہنشاہ اکبر کی طرف سے حسین خان والی کشمیر مقرر ہوا، حسین خان علوم و فنون کا مربی و سرپرست تھا، اُس نے وہان متعدد مدرسے قائم کیے، اچھے اچھے اساتذۂ فن کو جمع کیا اور علما، اور طلبا کے لیے ایک پرگنہ اسیا پور وقف کیا، (ماثر رحیمی)

مدارس گجرات

اسلامی عہد حکومت مین گجرات کی علمی و تعلیمی ترقیان بھی مخصوص حیثیت رکھتی ہین، یہان مدارس اور تعلیم گاہین بکثرت تھین، اور اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ یہان کے فرمانروا اکثر علم دوست و علم پرور گذرے،

سلاطین گجرات مین سلطان محمود بیگڑہ سے بڑا کوئی دوسرا بادشاہ نہین گذرا ۸۶۳ھ سے ۹۱۷ھ تک اسنے حکومت کی۔ اسکا دربار علما و فضلا سے بھرا رہتا تھا۔ بڑی بڑی عمارتین اسکے عہد مین تعمیر ہوئین منجملہ انکے مدارس بھی تھے تاریخ مرات احمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ اس بادشاہ نے مسافرون کے آرام کے لیے سرائین، طالب علمون کے لیے مدرسے اور مسلمانون کے لیے مسجدین تعمیر کرائین

مدرسہ سیف خان

مرأۃ احمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ محمد صفی صوبہ دار گجرات نے جسکا لقب سیف خان تھا احمد آباد مین قلعہ ارک کے پھاٹک کے سامنے ایک عظیم الشان وخوش منظر مدرسہ تعمیر کرایا مدرسہ کا نام مدرسۃ العلما رکھا سال تعمیر ۱۰۳۲ھ اس شعر سے نکلتا ہے،

سال اتمام زمعمار قضا جستم د گفت
مسجد و مدرسہ و دار شفاے آباد

مدرسہ شیخ الاسلام

قاضی اکرم الدین خان المخاطب بہ شیخ الاسلام نے اپنے ذاتی مصارف سے احمد آباد مین ایک بہت عالیشان مدرسہ بنوایا جسکی تعمیر مین ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے صرف ہوئے تھے، تعمیر کا آغاز ۱۱۰۰ھ اور انجام ۱۱۱۱ھ مین ہوا، متصل دو کانون کے علاوہ دو گاؤن بھی وقف تھے، اس مدرسہ کے مشہور مدرس مولنا نور الدین گجراتی تھے،

۱؎ مرأۃ احمدی،

مدرسہ سرخیز

سرخیز مین جہان شیخ احمد کھتو کا مزار ہے، ایک بہت بڑا مدرسہ[1] تھا، اسکی عمارتین محمد شاہ نے تعمیر کی تھین، اور غالبًا مدرسہ کی عمارت بھی، محمود شاہ و مظفر شاہ کے عہد حکومت مین فقیہ احسن العرب الدابھولی اس مدرسہ کے اساتذہ مین بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے،

مدرسہ وجیہ الدین

احمد آباد مین علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ[2] سب سے زیادہ مشہور ہے، اس مدرسہ مین طلبا کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریبًا ۶۵ سال تک علامۂ ممدوح نے اسمین تعلیم دی اور بعد وفات یہین پیوند زمین ہوئے، انکے بعد انکے فرزند رشید مولنا عبداللہ جانشین ہوئے، صادق خان نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت از سر نو تعمیر کی جسمین طلبہ کے رہنے کیواسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا،

مدرسہ نہروالہ

شیخ حسام الدین ملتانی کے مزار کے متصل نہروالہ مین ایک مدرسہ[3] تھا جس مین مولنا تاج الدین اور انکے فرزند رشید محمد بن تاج درس دیتے تھے، ان دونون بزرگون کا شمار اس زمانہ کے مشہور اساتذہ مین تھا،

مدرسہ تالاب سرورخان

نہروالہ مین خان سرور نام ایک تالاب بہت ہی خوش منظر سیر گاہ تھا، اسکے گرد پیش

---

[1] یاد ایام، [2] ایضًا، [3] ایضًا،

عالیشان عمارتین تھین جسین ایک مدرسہ[1] بھی تھا، یہ معلوم نہین اسکا بانی کون تھا اور کس سنہ مین اسکی بنا ہوئی، اس مدرسہ کے اساتذہ مین ایک نام مولنا قاسم بن محمد گجراتی کا ملتا ہے جو قطب الدین احمد شاہ کے زمانہ مین تھے،

مدرسہ عثمان پور

سابرندی کے کنارے ایک گاؤن تھا جسکو اُسکے بانی شیخ عثمان متوفی ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا، شیخ عثمان نے وہان ایک مدرسہ[2] بھی قائم کیا، محمد شاہ گجراتی کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، شیخ نے مدرسہ کے لیے اس عقیدت سے مختلف فوائد حاصل کیے جنمین سے یہ قابل ذکر ہے کہ طلبار کی تعلیم کے لیے شاہی کتبخانہ کی تمام کتابین حاصل کرکے وقف کردین،

مدارس سورت

سید محمد بن عبداللہ العیدروس کے مزار کے پاس حاجی زاہد بیگ نے بزمانۂ تولیت شیخ جعفر صادق ۱۱۸۱ھ مین ایک[3] مدرسہ تعمیر کیا جسمین زمانۂ دراز تک علوم وفنون کی تعلیم ہوتی رہی،

سورت مین مرجان شامی کی مسجد ہمیشہ مدرسہ کا کام دیتی رہی نواب ظفریاب خان نے اپنے زمانہ مین مدرسہ[4] کیواسطے ایک خاص عمارت تیار کی جسکی تکمیل حاجی میان نواب ممدوح کے پوتے کے وقت مین ہوئی،

عالمگیر نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کی ترقی کے لیے طرح طرح کی کوششین

---

[1] یادایام، [2] ایضاً، [3] حقیقۃ السورۃ، [4] ایضاً،

لین، مسٹر کین اپنی تاریخ مغل امپائر میں لکھتے ہین کہ

"اورنگ زیب نے زراعت کو بیحد ترقی دی اور اپنے حدود حکومت مین بے شمار مدارس و مکاتب قائم کیے"،

تاریخ مرآت احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوان صوبہ گجرات مکرمت خان کے نام عالمگیر نے ایک فرمان بھیجا جسین حکم دیا گیا تھا کہ مملکت محروسہ کے تمام علاقون مین مدرس مقرر کیے جائین۔ طالب علمون کو میزان سے لیکر کشاف تک تعلیم دیجائے اور انکو سرکاری خزانہ سے حسب رائے صدر صوبہ و تصدیق مہر مدرس وظائف دیے جائین، چنانچہ تین مدرس ایک احمد آباد، دوسرے سورت، اور تیسرے پٹن مین مقرر کیے گئے۔ اسی کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۸۶ھ مین قلعہ بھدر (احمد آباد) کے مدرسہ مسجد اور دارالشفا کی مرمت کے لیے روپیہ ادا کیا گیا،

عالمگیر تعلیم عام کا بیحد شائق تھا، چنانچہ اس نے ہر طرف مدارس قائم کرنے کے علاوہ جہان جہان معلمین و علماء تھے اُنکے لیے بکثرت مدد معاش کی رقمین بطور وظائف تعلیمی مقرر کین چنانچہ مصنف ماثر عالمگیری لکھتا ہے،

و در جمیع بلاد و قصبات این کشور وسیع فضلاء و مدرسان را بوظائف لائقہ از روزانہ و املاک موظف ساختہ برائے طلبۂ علوم وجوہ معیشت در خور حالت و استعداد مقرر فرمودہ بودند (صفحہ ۵۲۹)

اسی عالمگیر نے گجرات کے بوہرونکی تعلیم کے لیے وہان تعلیم کو لازمی و جبری قرار دیا، اسکے لیے بہترین اساتذہ مقرر کیے، ماہوار امتحانات کا طریقہ ایجاد کیا جسکے نتائج کی اطلاع اسکو

برابر دیجاتی تھی،

اشاعت تعلیم کے دیگر ذرائع

اب تک مین نے جو کچھ لکھا ہے اسکو مخصوص و مشہور مدرسون کی ایک تاریخی فہرست سمجھنا چاہیے جسمین مدارس کے نام، بانی، مقامات اور دوسرے جزدی امور کی تشریح و توضیح بھی ضمنی طور پر آگئی ہے لیکن مسلمان بادشاہون نے ہندوستان مین اشاعت تعلیم کے لیے اور جو ذرائع اختیار کیے ان کی نسبت ابھی کچھ لکھنا باقی رہ گیا ہے،

اشاعت تعلیم کی جو صورتین اختیار کی جاسکتی ہین انمین مقدم مدارس کی تاسیس و بنا ہے، یعنی ملک کے ہر چہار جانب مرکزی مقامات مین متعدد مدارس قائم کیے جائین جہان ملک کا ہر طبقہ اور ہر گروہ تعلیم حاصل کر سکے اس سلسلہ مین جو کچھ مسلمان بادشاہون نے کارنامے انجام دیے انکی کسیقدر تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور ہر شخص بیک نظر دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبہ کے مرکزی اور مشہور مقامات مین مسلمان سلاطین و امرا نے مدارس و مکاتب قائم کیے جنمین سے اکثر کے باقیماندہ آثار ابتک اپنی گذشتہ عظمت و شوکت کی یاد تازہ کر رہے ہین،

آج اشاعت تعلیم کے جتنے طریقے اختیار کیے جارہے ہین انمین بکثرت ابتدائی، ثانوی، متوسط اور اعلےٰ تعلیم کے مدارس و مکاتب کا قیام اور اخراجات تعلیم کی تخفیف و تقلیل موثر طریقے سمجھے جارہے ہین لیکن عامۃ الناس کا ان طریقون سے مستفید ہونا اسپر موقوف ہے کہ اس زمانہ مین وسائل سفر سہل ہوگئے ہین ہر شخص بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک سمت سے

دوسری سمت بہت قلیل مدت مین آجا سکتا ہے، بخلاف اسکے قدیم زمانے مین جبکہ وسائل سفر محدود اور قلیل تھے تو اس زمانہ مین ترویج علوم و اشاعت تعلیم عامہ کا کیا ذریعہ اختیار کیا جا سکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس بارے مین مسلمان بادشاہون نے جو طریق عمل اختیار کیا وہ بیحد قابل داد ہے اور بیساختہ انکے حقیقی مساعی جمیلہ و خدمت رفاہ عام کی تحسین و آفرین کرنا پڑتی ہے،

اس مشکل کو حل کرنے کے لیے مسلمان بادشاہون نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ملک مین جہان جہان علما اور معلمین رہتے تھے انکے لیے خزانہ شاہی سے وظائف مقرر کر دیے جنکے عوض وہ اپنے اپنے مقامات پر فارغ البالی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ و اجرت کے مشغول درس و تدریس رہتے تھے طلبا، و متعلمین کے لیے اوقاف کی مدین عام تھین جن سے انکے مصارف ذاتی و تعلیمی پورے کیے جاتے تھے علما، و متعلمین کے ان وظائف کو قدیم تاریخی اصطلاح مین مدد معاش کہتے تھے، اس طریقہ کے باعث تعلیم مُفت اور عام، نیز اس زمانہ کی حالت کے لحاظ سے بہت سہل الحصول ہو گئی تھی،

گذشتہ صفحات پر مدارس گجرات کے عنوان مین عالمگیر کا وہ فرمان درج کیا جا چکا ہے جو اس نے مکرمت خان کے نام صادر کیا تھا جسمین تمام مملکت مین علما، و مدرسین کے تقرر اور طلبا، کے لیے حکومت سے عطاے وظائف کی تصریح موجود ہے وہ فرمان اس خاص طریقۂ اشاعت تعلیم کی جس کو مسلمان فرمانروایان نے اختیار کیا بیّن دلیل ہے،

اس مدد معاش کی رقم مین ہندو مسلمان کی کچھ تفریق نہ تھی بلکہ دونون قومونکے مذہبی اشخاص کے لیے یہ رقمین مقرر ہوتی تھین، قدیم زمانے مین مسلمانونکے عالم مذہبی رہنما اور تعلیمی اشخاص تھے اسی طرح ہندوؤن مین پنڈت، یاگوشائین انکے مذہبی رہنما اور معلم یا گرو ہوتے تھے، اس لیے اس سلسلہ مین جتنے وظائف تھے وہ مذہبی خدام و معلمین اور گروؤن کی اعانت اور عوام الناس کی تعلیمی و مذہبی کفالت کی حیثیت رکھتے تھے، آج تک اس مدد معاش کے فرامین ہندو مسلمانونکے اکثر خاندانون مین موجود ہین، انکا جمع و استقصا اس موقع پر ممکن نہین، البتہ ہندوستان کے تاریخ نویس کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس قسم کے تمام منتشر مواد تاریخی کو جمع کرے، تاکہ گذشتہ ہندوستان کی مکمل و جامع تاریخ مرتب ہو سکے،

شخصی تعلیم

اسکے بعد اب چند صاحب درس علمار کی فہرست بحوالہ تاریخ پیش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون نے ہندوستان کی علمی و تعلیمی ترقی کے لیے جو کوششین کین انین حکومت اور اشخاص دونون کا حصہ ہے،

حکومت اور امرار حکومت نے جتنی تعلیم گاہین قائم کین ان مین سے ایک معقول تعداد کی تفصیل جن کا پتہ مین کتب تاریخ سے چلا سکا اوپر گذر چکی تعلیم و مذہبی خدمات کے سلسلہ مین معلمین و خدام مذہب کے لیے جو رقم اعانت حکومت کی طرف سے ملتی تھی اجمالی طور پر اس کا حال بھی تم کو معلوم ہو چکا،

اب علما کی ایک مختصر سی حسب ذیل فہرست پر نظر ڈالو جو اپنے اپنے مقام پر علوم وفنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم وتہذیب پر اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ صرف کر گئے انہین کچھ تو ایسے علما ہین جنکو حکومت تعلیمی وظائف دیتی تھی لیکن اکثر وہ لوگ ہین جن کو کسی اعانت کی ضرورت نہ تھی ہر طرح فارغ البال تھے اور کار خیر وحب خدمتِ قوم کی بنا پر اپنی زندگی کا معقول حصّہ عام لوگون کی تعلیم وفیض رسانی پر صرف کرتے تھے،

جن علمار کی فہرست پیش کی جا رہی ہے ان مین زیادہ تر ہمعصر اساتذہ وقت ہین یعنی ان مین سے قریب قریب اکثر کا زمانہ متحد ہے اسلیے گویا یہ فہرست ایک ہی عہد کے علمار کی ہے اب غور کرنا چاہیے کہ بیک عہد جب اتنے علما اس خدمت کو انجام دیتے تھے تو اس قیاس پر ابتدائے عہد اسلامی سے آخر تک کتنی مقدس ہستیان تھین جنھون نے اپنی زندگی ہندوستان کی علمی ترقیون کی نذر کر دی ہوگی،

ایک کو چھوڑکر یہ تمام تفصیل صرف تاریخ بدایونی سے ماخوذ ہے، جس مین زیادہ تر عہد اکبری یا اسکے ماضی قریب کے علمار کا تذکرہ ہے اب غور کرو جب اکبر جیسے بادشاہ کے عہد مین جو درحقیقت تعلیمی دور نہ تھا مدرسین کی اتنی بڑی جمعیت موجود تھی تو ان بادشاہون کے عہد حکومت کا کیا کہنا جن کا عہد درحقیقت ایک تعلیمی وعلمی عہد تھا بدایونی لکھتا ہے،

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل۔ از ارشد تلامذہ شیخ اسحاق کاکوست در عین نخاس درس میگفت تصانیف بسیار مفید وعالی نوشتہ از انجملہ شرحے بر جواہر القرآن امام غزالی نوشت،

شیخ عبداللہ بدایونی۔ نعمت علم از اکثر مقتدیان روزگار خویش یافت خصوصًا از میان

شیخ لادن دہلوی و میر سید جلال بدایونی کہ بعد از وفات مرحوم قائم مقام او شدہ سالہا

در بدایون درس و افادہ فرمودہ،

میان حاتم سنبھلی - شاگرد میان عزیز اللہ طلبنی درین قرن مثل او من حیث الجامعیۃ

عالمے جامع المنقول والمعقول نگذشتہ خصوصًا در کلام و اصول و فقہ و عربیت میگفتند کہ قریب

بچہل مرتبہ شرح مفتاح و مطول را از بار بسم اللہ تا تار تمت درس گفتہ،

میان جمال خان مفتی دہلی - در علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصًا فقہ و کلام و عربیت، و

تفسیر بے نظیر بود بر شرحین مفتاح محاکمہ کردہ و عضدی را کہ کتاب منتہیانہ است میگویند

کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ و ہمیشہ درس گفتے و افادہ علوم دینی فرمودے،

شیخ جلال الدین تھانیسری - خلیفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی جامع علوم ظاہری و

باطنی بود با فاضہ علوم دینیہ و نشر معارف یقینیہ اشتغال داشت،

شیخ عزیز اللہ در علوم ظاہری ہم کامل و مکمل بود و تفسیر عرائس و عوارف و فصوص الحکم

و شروح آن را بتلامذہ درس گفتے،

شیخ بھیکن کاکوری سالہا بدرس و افادہ خلائق اشتغال داشت حافظ کلام مجید

بہفت قرات بود شاطبی را درس می گفت،

شیخ الہدیہ خیرآبادی - از علما متبحر بود در ابتدائے احوال سالہا بدرس و افادہ

گذرانیدہ و آنقدر مشغولی بہ علوم ظاہری نمود کہ بسیار دانشمندان صاحب کمال از وے وارث ماندہ

شیخ عبدالغفور اعظم پوری (سنبھلی) در اکثر اوقات خویش درس علوم دین فرمودے

میان وجیہ الدین احمد آبادی۔ دائم بدرس علوم دینی اشتغال داشت وقدرت

برجمیع علوم عقلی ونقلی بمرتبۂ بود کہ کم کتاب درس از صرف ہوائی تا قانون شفا وشرح

مفتاح وعضدی باشد کہ اورا درس نگفتہ،

شیخ اسحاق کاکو لاہوری۔ او استاد اکثر علماے مشہور لاہور است مثل شیخ

سعد اللہ وشیخ منور وغیر ایشان درزمان جوانی بیشتر مایل وراغب بشکار بود چنانچہ

ہرگاہ از درس فارغ می شد بازو جرہ وامثال آن را گرفتہ بصید میرفت،

مصنف مآثر عالمگیری وقائع ۱۱۰۹ھ کے سلسلہ مین لکھتا ہے،

ملا ابوالقاسم بشرط تدریس روضہ والدہ شاہ عالی جاہ یکروپیہ یومیہ داشت،

تاریخ فرشتہ ذکر شاہ حسین ثانی بادشاہ ملتان مین لکھتا ہے کہ ایک اندرونی فتنہ وبغاوت

کے موقع پر مولنا سعد اللہ لاہوری اپنے گھر کی حالت بیان کرتے ہین،

چون حصار مسخر لشکر ارغونیہ شد جمعی بخانۂ من درآمدند ولاپدر مرا کہ مولنا ابراہیم

جامع نام داشت وشصت وپنج سال برمسند افادہ قرار گرفتہ اقسام علوم درس گفتہ

بود ودر آخر عمر پارسا شدہ بودہ بہ بند بردند واز صفائے منازل ونزاہت عمارات

گمانی زرداری بردہ شروع در اہانت کردند، (ج دوم صفحہ ۳۳۱)

شیخ نظام الدین قدس سرہ العزیز کے حالات مین فرشتہ لکھتا ہے،

غیاث الدین بلبن کے زمانہ مین خواجہ شمس الدین خوارزمی استاد شیخ رحمۃ اللہ علیہ

دہلی آئے بادشاہ نے شمس الملک کا خطاب دیا اور آخر مین منصب وزرات سے

بھی سرفراز کیا، (ملخصاً)

اسکے بعد لکھتا ہے،

دقبل ازآنکہ وزیر شود بدرس اشتغال داشت پس شیخ ادرا دیدہ درسلک تلامذہ اش منتظم گشت داد حجرۂ می داشت کہ خاصہ برائے مطالعہ اش بود و شاگردان صاحب استعداد سہ کس بودند کہ درآن حجرہ درس میخواندند و باقی شاگردان را درصفہ درس می گفت، (ج دوم ص ۳۹۱)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانون نے سرکاری وغیرسرکاری طریقہ پر ہندوستان کی علمی وتعلیمی ترقی کے لیے کیسی زبردست کوششین کی ہین،

ہندوستان مین اطراف وجوانب سے علما کی آمد اوراشاعت تعلیم

اسلامی فتوحات کا سیلاب جب ہندوستان کی طرف بڑہا تو اس لشکر کے پیچھے پیچھے ارباب علم وفن کا جم غفیر بھی اس ملک مین داخل ہوا جسنے یہان کی زمین کو آسمان تک پہنچا دیا، دہلی جب فتح ہوئی تو ایک طرف دربار حکومت سجایا گیا اور دوسری طرف بزم علم وفن منعقد کی گئی،

مسلمان بادشاہون کی علم پرستی وقدردانی کے باعث اطراف واکناف عالم کے علما سمٹ سمٹ کر دہلی مین اقامت گزین ہوئے،

غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت مین شمس الدین خوارزمی، برہان الدین بلخی،

نجم الدین دمشقی، شمس الدین قوشجی، کمال الدین زاہد، اور برہان الدین بزاز جیسے بیسیون ارباب فضل جمع تھے، جن کے وجود سے دہلی رشک شیراز و بغداد ہو رہی تھی،

محمد شاہ تغلق کے عہد مین قاضی عبدالمقتدر، شیخ احمد تھانیسری، معین الدین عمرانی اور مولنا خواجگی جیسے اہل فن موجود تھے،

علاء الدین خلجی کے عہد حکومت مین خاص دار السلطنت دہلی کے متعلق ضیاء برنی اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی مین لکھتا ہے،

کہ چہل وشش علماے فحول وبے نظیر در دار السلطنت دہلی بودند"

ان علماے کرام مین سے چند ممتاز ترین وسر برآوردہ اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہین،

مولنا فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین سربائی، مولنا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم، مولنا ظہیر الدین لنگ، مولنا علاء الدین صدر الشریعہ، مولنا نظام الدین کلاہی، مولنا کریم الدین جوہر وغیرہم،

سلطان سکندر لودی کے عہد حکومت مین دو بڑے عالم جو معقولات کا سرچشمہ تھے ملتان سے دہلی و سنبھل تشریف لائے، جنھون نے منطق و علم کلام کو اس دیار مین بہت زیادہ ترقی دی، بدایونی لکھتا ہے،

"واز جملہ علماے کبار عہد سکندری شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و مولانا عزیز اللہ در سنبل بودند

واین ہر دو عزیزان در ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را در ان دیار رواج دادند"

وقبل ازین بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق وکلام در ہند شائع نبود"

شیخ عبداللہ کی درسگاہ مین خود سلطان سکندر شریک ہوتا تھا اور اس خیال سے کہ اُس کے جانے سے درس کا سلسلہ رک نہ جاے وہ چھپکر مدرسہ سے متصل گوشۂ مسجد مین بیٹھ جاتا تھا، جہان سے وہ مولنٰا کی پوری تقریر سنتا اور فیض اُٹھاتا تھا،

اکبر کے زمانہ مین شاہ فتح اللہ شیرازی آئے، جنھون نے عضد الملک کا خطاب پایا عضد الملک عالم جید اور علم پرست شخص تھا، اسی زمانہ مین حکیم شمس الدین اور اُن کے بھانجے حکیم علی گیلانی نے فن طب کو بہت فروغ دیا، شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی اسی عہد مین فن حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے کوشان تھے،

مشاہیر علماء ہند

شاہجہان و عالمگیر کے عہد مین میر زاہد اُٹھے اور اُنکی قابلانہ موشگافیون نے پایۂ علم وفن کو بلند تر کیا، انہی بزرگ کے سلسلہ مین قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان بھی ہے، جسمین شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر، مولوی عبد الحی، شاہ محمد اسمٰعیل، مولوی محمد اسحاق، مولوی رشید الدین، مفتی صدر الدین خان وغیرہ جیسے مشہور مدرسین وعلماء تھے،

گجرات مین شیخ طاہر فتنی صاحب مجمع البحار، شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی، ملّا نور الدین وغیرہ نے علوم وفنون کو ترقی دی، قاضی ضیاء الدین باشندہ نیوتنی نے گجرات

پہنچکر شیخ وجیہ الدین کے فیض برکت سے فائدہ اُٹھایا، ان سے شیخ جمال اور ان سے ملّا لطف اللہ نے تعلیم حاصل کی، انکے تلامذہ مین ملّا جیون صاحب نور الانوار، ملّا علی اصغر، ملّا محمد امان، قاضی علیم اللہ بہت مشہور ہوئے، اور ان مین سے ہر شخص صاحب سلسلۂ درس گذرا

لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے، لیکن کچھ دنون کے لیے دہلی کے مقابلہ مین اسکا چراغ ٹمٹاتا رہا، آخر مین اسکو پھر ایک مرتبہ فروغ حاصل ہوا، جسکا سبب کمال الدین کشمیری، جمال الدین تلہ، مفتی عبد السلام، اور ملّا عبد الحکیم سیالکوٹی جیسے نامور علماء کی ذات ہے، ان بزرگون کے فیض سے ہزارون تشنگان علم سیراب ہوئے،

جونپور مین سلاطین شرقیہ کی علم پرستی کے باعث شیخ ابو الفتح شہاب الدین دولت آبادی، محمد افضل استاذ الملک، مولنا اللہ داد، ملّا محمود صاحب شمس بازغہ، مفتی عبد الباقی اور دیوان عبد الرشید جیسے صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے جنکا سلسلۂ فیض تمام ہندوستان مین پھیلا،

الہ آباد مین شیخ محب اللہ، قاضی آصف، شیخ افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زایر، مولوی برکت اللہ، اور مولوی جار اللہ جیسے فخر روزگار فضلا نے بزم درس و تدریس گرم رکھی، جس سے وہان تقریبًا ایک صدی تک اچھی علمی رونق رہی،

لکھنؤ مین سب سے پہلے شیخ اعظم جونپور سے فیضیاب ہو کر آئے، اُنکے بعد شاہ پیر محمد نے مسند افادہ بچھایا، انکے شاگرد ملا غلام نقشبند نے سلسلۂ تعلیم کو بڑی وسعت دی،

ٹھیک اسی زمانہ مین شیخ قطب الدین کا جو مولنا عبد السلام دیوی اور محب اللہ

الہ آبادی کے سلسلۂ تلامذہ مین ایک باکمال استاد تھے شہرہ ہوا، انکے فخر خاندان فرزند ملّا نظام الدین نے علم وفن کے دریا بہادیے، انکی بدولت لکھنؤ کو تعلیمی مرکزیت حاصل ہوگئی، جو نصاب درس انھون نے مرتب کیا اُسکو سارے ہندوستان نے قبول کیا، اس سلسلہ مین ملاحسن، بحرالعلوم، ملّامبین، مولوی ولی اللہ، مفتی ظہور اللہ، مولوی نعیم اللہ، مولوی عبدالحکیم، مولوی عبدالحلیم مرحوم جیسے باکمال اساتذۂ عصر پیدا ہوئے،

اس خاندان کے تلامذہ مین قطب الدین گوپاموی، امان اللہ بنارسی، قطب الدین شمس آبادی، محب اللہ بہاری، مولوی حمداللہ، مولوی فضل امام اور مولوی فضل حق وغیرہ نے ہندوستان کے مختلف گوشون مین علوم وفنون کی ترقی کے لیے بڑی کوششین کین، اور آج تک اُنکے گذشتہ مساعی کے جو کچھ نتائج باقی ہین اُنسے ہر شخص اُنکی عظمت کا تصوّر کرسکتا ہے،

عربی کا قدیم نصاب درس

اب اس سلسلہ مین سب سے زیادہ ضروری بحث نصاب تعلیم کی بحث رہگئی ہے جس کو لکھنا گویا اس مضمون کو تکمیل تک پہنچانا ہے، ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء کے رسالہ الندوہ مین مخدومی مولٰنا سید عبدالحی صاحب موجودہ ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ نے "ہندوستان کا نصاب درس" ایک محققانہ مضمون لکھا تھا، مولٰنا حکیم سید عبدالحی صاحب قبلہ تاریخ علما، وعلوم ہند کے بہترین عالم ہین مولٰنا موصوف نے علما ہند کی ایک مفصل ومبسوط تاریخ عربی زبان مین لکھی ہے جو متعدد مجلدات پر مشتمل ہے۔ مین نے جا بجا سے اسکے مختلف صفحات کا بغور مطالعہ کیا ہے، علانیہ یہ کہہ سکتا ہون کہ اس سے زیادہ بہتر تاریخی تحقیق وتفتیش، تلاش وجستجو اور کاوش ومحنت کا نمونہ پیش نہین کیا جاسکتا افسوس ہے کہ ابھی غیر مطبوع ہونے کے باعث یہ بے نظیر اور ضروری تالیف منظر عام پر نہین آئی،

مولٰنا موصوف اپنے مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" مین تحریر فرماتے ہین،

"مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سہولت کے لحاظ سے انصاب درس کے چار دور قائم کرین اور جو کتابین ہر دور مین مروج تھین انکی تفصیل جہان تک تاریخ سے سیر سے مشائخ کے طبقات سے، شعرا کے تذکرون سے اور مکتوبات وملفوظات سے ملسکتی ہے یک جا کردین دیکھنے کو تو ایک ذرا سا کام ہوگا، مگر مختلف کتابونکے ہزار ہا صفحے الٹنے کے بعد

ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہین جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہین"

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے کتب درسی کی جو تفصیل مذکورہ بالا ذرایع تاریخی سے مولنٰا ممدوح نے جمع کردی ہے اسپر اضافہ شکل ہے بحیثیت مضمون نگار اس ضرورت کے لیے مین نے بھی مختلف کتب تاریخ وسیر کی ورق گردانی کی لیکن ہر قدم پر مجھے مولنٰا کی تصریحات سے اتفاق کرنا پڑا اور مزید اضافہ کی کوئی گنجائیش نہ نکلی اس بنا پر مین نے غیر ضروری کاوش سے قطع عمل کر کے مولنٰا ممدوح ہی کی تصریحات کو اس موقع پر نقل کردینا بہتر خیال کیا چنانچہ قریب قریب مولنٰا ہی کے الفاظ مین نصاب درس کی یہ تمام تصریحات اس موقع پر نقل کیجاتی ہین،

دور اوّل

اس کا آغاز ساتوین صدی ہجری سے سمجھنا چاہیئے اور انجام دسوین صدی پر اسوقت ہوا جبکہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا کم وبیش دو سو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف تفسیر، حدیث،

علم نحو مین مصباح۔ کافیہ، لب الالباب، مصنفہ قاضی ناصرالدین بیضاوی، اور کچھ دنون بعد ارشاد، مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی،

فقہ مین ہدایہ،

اصول فقہ میں منار، اور اسکے شروح اور اصول بزدوی

تفسیر میں مدراک، بیضاوی، اور کشاف،

تصوف مین عوارف، فصوص الحکم اور ایک زمانہ کے بعد نقد النصوص، ولمعات، بھی ان مدارس مین رائج ہوگئی تھین جو خانقاہون سے متعلق تھے،

حدیث مین مشارق الانوار، مصابیح السنہ، (یعنے مشکوٰۃ المصابیح کا متن)

ادب مین مقامات حریری، زبانی یاد کیجاتی تھی حضرت نظام الدین اولیار کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شمس الملک استاذ شمس الدین خوارزمی سے مقامات حریری پڑھی تھی اور چالیس مقامے زبانی یاد تھے،

منطق مین شرح شمسیہ، فن کلام مین شرح صحائف، اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابو شکور سالمی،

اس طبقہ کے علما، کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانہ مین منطق و فلسفہ معیار فضیلت ہے ویسا ہی اس زمانہ مین فقہ اور اصول فقہ معیار فضیلت تھا حدیث مین صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہوجاتا تھا،

اصل یہ ہے کہ اس زمانہ کے نصاب تعلیم مین جو خصوصیات نظر آتی ہین وہ فاتحین ہند کے موثر مذاق کا نتیجہ تھین ہندوستان مین اسلامی حکومت کا تخت جس قوم نے بچھایا وہ غزنی اور غور سے آئی یہ وہ بلاد ہین جہان فقہ و اصول فقہ کا ماہر ہونا علم و فن کا

طغراے امتیاز تھا یہی سبب ہے کہ فقہی روایات کا پایہ بلند تھا علم حدیث کی طرف کوئی توجہ نہین تھی اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ غیاث الدین تغلق کے دربار حکومت مین مسئلہ سماع کی نسبت مناظرہ پیش آیا ایک طرف شیخ نظام الدین اولیا اور دوسری طرف تمام علماے دہلی تھے شیخ فرماتے ہین کہ مین جب کوئی حدیث استدلالاً پیش کرتا تھا تو وہ لوگ بڑی جرارت سے کہتے تھے کہ اس شہر مین حدیث پر فقہی روایات مقدم سمجھی جاتی ہین کبھی کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک بہ ہے اور وہ ہمارے علمار کا دشمن ہے ہم ایسی حدیثین نہین سُننا چاہتے، شیخ فرماتے ہین کہ جس شہر کے علما مین اسدرجہ مکابرہ وعناد ہو وہ کیونکر آباد رہ سکتا ہے وہ تو اس قابل ہے کہ بالکل تباہ و ویران ہو جاوے،[1]

ضیا برنی نے اپنی تاریخ میں علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مولنا شمس الدین ترک ایک مصری محدث ہندوستان مین علم حدیث کی ترویج کے ارادہ سے ملتان تک آکر واپس چلے گئے مگر چلتے وقت بادشاہ کو ایک رسالہ لکھکر بھیجدیا جس مین اسپر بہت کچھ غیرت دلائی تھی کہ ہندوستان مین حدیث کی طرف سے علمار مین بڑی بے اعتنائی پھیلی ہوئی ہے دنیا ساز مولویون نے بادشاہ تک اس رسالہ کو بھی نہ پہنچنے دیا،

[1] کیقدر اختلاف کے ساتھ فرشتہ نے بھی تذکرہ نظام الدین اولیا مین اس واقعہ کو درج کیا ہے،

دور دوم

نوین صدی ہجری کے آخر مین شیخ عبد اللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے اول الذکر دہلی اور ثانی الذکر سنبھل مین فروکش ہوے یہ سکندر لودی کا عہد حکومت تھا اسنے ان دونون بزرگون کا بڑے تزک واحتشام سے خیر مقدم کیا کچھ ان دونون کے فضل وکمال اور کچھ بادشاہ کی قدر شناسی سے بہت جلد ان کی علمی عظمت ہندوستان مین ہر چہار طرف قائم ہوگئی انھون نے سابق معیار فضیلت کو کسیقدر بلند کر دیا قاضی عضد کی تصانیف مطالع ومواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم داخل نصاب کین اور بہت جلد یہ کتابین مقبول عام ہوگیین،

بدایونی کا یہ جملہ اس سے پہلے بھی نقل کرچکا ہون کہ

"این ہر دو عزیزان ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دران دیار رواج دادند وقبل ازین بغیر از شرح شمسیہ وشرح صحائف از علم منطق وکلام در ہند شائع نبود"

اسی دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف کو رواج دیا اور علامۂ تفتازانی کے شاگردون نے مطول اور مختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا،

اسی زمانہ مین شرح وقایہ اور شرح جامی بھی رفتہ رفتہ داخل نصاب ہوگیین،

اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہین جو ہندوستان سے عرب گئے اور وہان تین برس رہکر علمائے حرمین شریفین سے فن حدیث کی تحصیل و تکمیل کی اور یہ تحفہ ہندوستان کیلیے لائے انھون نے اور ان کی اولاد نے برابر اسکی اشاعت کی مگر افسوس ہے کہ ناکامیابی ہوئی کیونکہ یہ شرف ایک دوسرے بزرگ کیلیے خدا نے مخصوص کر رکھا تھا،

یہان پر دور دوم کے داخل نصاب کتابونکی نام بنام فہرست دینا محض طوالت ہے کیونکہ دور اول کی جن کتابونکی فہرست دیجا چکی ہے مذکور، بالا کتابین یعنے مطالع و مواقف اور انکی شرحین مطول، مختصر، تلویح، شرح عقاید نسفی، شرح وقایہ اور شرح جامی اس فہرست پر اضافہ کر لینے سے دور دوم کا نصاب بآسانی مرتب، ہو جاتا ہے،

اس طبقہ کے علماے کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح ہمارے زمانہ مین صدرا اور شمس بازغہ انتہائی کتابین سمجھی جاتی ہین اسیطرح اس زمانہ مین مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضد کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابین تھین بدایونی نے جابجا اسکی طرف اشارہ کیا ہے،

مفتی جمال الدین خان کے حالات مین لکھا ہے،

"بر شرحین مفتاح محاکمہ کردہ و عضدی را کہ کتاب منتہیانہ ہست می گویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ،

شیخ حاتم کے حالات مین لکھا ہے،

ددمی گفتند کہ قریب بہ چہل مرتبہ شرح مفتاح و مطول را از بار بسم اللہ تا تارتت درس گفتہ

دبرین قیاس سایر کتب منتہائیہ“

دورِ سوم

دور دوم میں جو تغیر نصاب درس مین ہوا اُس سے لوگونکی اُمنگین بڑھگئی تھین اور وہ معیار فضیلت کو پہلے سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی تھے شاہ فتح اللہ شیرازی ہندوستان آئے اِدھر دربار اکبری نے اِنکو عضد الملک کا خطاب دیکر بہت بلند پایہ بنادیا انھون نے سابق نصاب درس مین کچھ جدید اضافے کیے جسکو علمار نے فوراً قبول کرلیا اور اب مدارس مین نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی،

ماثر الکرام مین میر غلام علی آزاد نے مندرجہ ذیل عبارت مین اسکا اعتراف کیا ہے،

تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث الدین منصور و مرزا جان میرا بہ ہندوستان آورد۔ و در حلقۂ درس انداخت و جم غفیر از حاشیۂ عقل استفادہ کردند و ازان عہد معقولات را رواجی دیگر پیدا شد،

شاہ ولی اللہ صاحب المتوفی ۱۱۷۴ھ نے جو اِس دور کے سب سے اخیر مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے۔ الجزء اللطیف میں اپنی درسیات کو اس ترتیب سے لکھا ہے،

نحو، مین کافیہ شرح جامی

منطق مین شرح شمسیہ شرح مطالع

فلسفہ مین شرح ہدایۃ الحکمۃ

کلام مین شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی، شرح مواقف

فقہ مین شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)

اصول فقہ مین حسامی اور کسیقدر توضیح تلویح

بلاغت مین مختصر و مطول

ہیأت و حساب مین بعض رسائل مختصرہ

طب مین موجز القانون

حدیث مین مشکوٰۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری

تفسیر مین مدارک بیضاوی

تصوف و سلوک مین عوارف و رسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص، اسقدر پڑہنے کے بعد شاہ صاحب عرب تشریف لیگئے اور وہان کئی برس رہکر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی جسکی ہندوستان آکر ایسی سرگرمی سے اشاعت کی کہ باوجود کساد بازاری اب تک اِس کا اثر باقی ہے ہندوستان مین صحاح ستہ کے درس و تدریس کا رواج اِسی وقت سے ہوا ہے جبکہ شاہ صاحب اور اِنکے نامور اخلاف نے اِسکو اپنی محنتون سے رواج دیا۔ اور اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اِسکی اشاعت پر صرف کردیا شاہ صاحب نے ایک نیا نصاب درس بھی مرتب کیا تھا مگر چونکہ اِس زمانہ مین علم کا مرکز نقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہوچکا تھا۔ اور تمام

درس گاہون مین منطق وحکمت کی چاشنی سے لوگون کے کام وزبان آشنا ہورہے تھے، اسلیے اسکو مقبول عام ہونا نصیب نہوا

دور چہارم

چوتھا دور بارہوین صدی ہجری مین شروع ہوا۔ اسکے بانی ملا نظام الدین تھے۔ جنھون نے اسکی بنیاد ایسے زبردست ہاتھون سے رکھی کہ باوجود امتداد زمانہ آجتک اسمین کوئی کمی نہین واقع ہوئی،

ملا صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب کے ہمعصر تھے۔ اس دور مین جو کتابین رائج تھین انکی تفصیل گذرچکی، ملا نظام الدین صاحب نے اسپر بہت کچھ اضافہ کیا اور بعد اضافہ اس نصاب کی مکمل صورت یہ ہوئی،

صرف مین میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ،

نحو مین نحو میر۔ شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی،

منطق مین صغری، کبری، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر سلم العلوم

حکمت مین میبذی، صدرا، شمس بازغہ،

ریاضی مین خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالہ اولی، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ شرح چغمنی باب اول،

بلاغت مین مختصر معانی، مطول، .. ما قلت

فقہ مین شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین

اصول فقہ مین نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)

کلام مین شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد۔ شرح مواقف

تفسیر مین جلالین۔ بیضاوی

حدیث مین مشکوٰۃ المصابیح

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علمون مین معان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اسمین بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو گو اسکو معًا بعد ختم تعلیم کسی مخصوص فن مین کمال حاصل نہین ہوجاتا لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہوجاتی ہے کہ آیندہ محض اپنی محنت سے جس فن مین چاہے اچھی طرح کمال پیدا کرے،

تحقیق کی قید اسلیے لگائی گئی کہ موجودہ طرز تعلیم بالکل ناقص ہے ملا نظام الدین کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیات کا چندان لحاظ نہین کرتے تھے۔ بلکہ کتاب کو محض ذریعہ تعلیم قرار دیکر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرز تعلیم کا نتیجہ ملا کمال الدین بحر العلوم اور حمد اللہ جیسے علماء جیّد تھے،

دور پنجم

یہ دور اسلامی تعلیمگاہونکے زوال کا دور ہے، اسوقت ہندوستان مین اسلامی

حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا مسلمانون کی علمی و تعلیمی مجلسین بھی غیر منتظم و پراگندہ ہو رہی تھین اس دور مین جو نصاب تعلیم متعین ہوا وہ دراصل پچھلے درس نظامی کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور وہی آجتک عام اسلامی تعلیمگاہون مین رائج و شائع ہے،

اس نصاب مین حسب ذیل فنون اور کتابین شامل ہین،

صرف، میزان، منشعب، پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی، صرف میر، گذشتہ نصف صدی سے علم الصیغہ، فصول اکبری، شافیہ،

نحو، نحو میر، مائۃ عامل، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی،

بلاغت، مختصر معانی کامل، مطول تا ما انا قلت

ادب، نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، دیوان متنبی، مقامات حریری، حماسہ،

فقہ، شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین،

اصول فقہ، نور الانوار۔ توضیح تلویح، مسلم الثبوت۔ (آخر الذکر کتاب اصول فقہ مین ہے لیکن حصۂ زیر درس درحقیقت علم کلام کا ٹکڑا ہے اس لیے اسکو علم کلام مین داخل سمجھنا چاہیے)

منطق، صغریٰ۔ کبریٰ۔ ایساغوجی۔ قال اقول میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی۔ میر قطبی، ملا حسن۔ حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد رسالہ، حاشیہ غلام یحییٰ بر میر زاہد، ملا جلال۔ اور کہین کہین بحر العلوم شرح سلم، حاشیہ عبد العلی بر میر زاہد رسالہ اور شرح سلم ملا مبین بھی

داخل نصاب ہے،

حکمت، میبذی۔ صدرا۔ شمس بازغہ،

کلام، شرح عقائد نسفی۔ خیالی۔ میر زاہد امور عامہ،

ریاضی، تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ، خلاصۃ الحساب۔ تصریح شرح تشریح، شرح چغمنی،

فرائض، شریفیہ،

مناظرہ، رشیدیہ،

تفسیر، جلالین۔ بیضاوی تا سورۂ بقر،

اصول حدیث، شرح نخبۃ الفکر

حدیث، بخاری۔ مسلم، موطا، ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ،

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس نصاب مین منطق کی جتنی کتابین داخل ہین وہ علی العموم ہر درسگاہ مین پڑہائی جاتی ہین بخلاف اسکے ادب و حدیث کی جو کتابین مندرج ہین وہ ہر جگہ نہین پڑہائی جاتین۔ جس کسیکو ادب پڑھنے کا شوق ہوتا ہے وہ کتب درسیہ کے علاوہ خارج اوقات مین ادب کی مذکورۂ نصاب کتابونکو بھی پڑھتا ہے، بشرطیکہ اسکو کوئی معلم ادب بھی ملجائے جو عموماً مدارس مین ناپید ہوتے ہین،

حدیث کے لیے دیگر کتب درسیہ سے فارغ ہوچکنے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے جہان حدیث کے پڑھانے والے ملسکین،

اس بنا پر میرے خیال مین اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربی مین رائج ہے

عملاً حدیث وادب کی مذکورہ بالا کتابونکو خارج ہی سمجھنا چاہیے،

اس آخری نصاب درس کے نقائص

(۱) منطق کی کتابین ضرورت سے بہت زیادہ ہوگئین شروع سے لیجیے تو پندرہ کتابین صرف اس ایک فن کی ہین،

(۲) منطق کی جو کتابین داخل درس ہین انمین بہت غلط مبحث ہے۔ ملاحسن، حمداللہ قاضی وغیرہ فن منطق مین ہین لیکن انمین منطق کے مسائل سے کہین زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہین جعل بسیط جعل مرکب۔ علم باری اور کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ مسائل ایسے اہم ووسیع ہین جنمین پڑکر طالب علم منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم متوجہ ہوسکتا ہے،

(۳) منطق کی پندرہ کتابین اس نصاب مین ہین لیکن فن تفسیر جیسے ضروری فن کی صرف دو کتابین لیگئین۔ بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈہائی پارے زیر درس ہین۔ جلالین پوری پڑہائی جاتی ہے لیکن اس کے اختصار کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید اور اسکے الفاظ وحروف عدداً برابر ہین،

(۴) حدیث وتفسیر کو ادب وعربیت سے مدد پہونچتی ہے۔ لیکن اسکا حصہ بہت کم ہے۔ بلاغت مین صرف دو کتابین داخل نصاب ہین مختصر ومطول اس آخری کتاب کا صرف ایک ربع حصہ پڑہایا جاتا ہے ادب کا حال اوپر لکھ چکا ہون،

(۵) اس نصاب مین تاریخ جغرافیہ علم اعجاز القرآن وغیرہ ضروری علوم وفنون بالکل نہین ہین،

ترتیب کتب وطریقۂ تعلیم

متداول تاریخون مین طریقۂ تعلیم کی نسبت کچھ تفصیل نہ ملسکی البتہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے رسالہ وصیت نامہ فارسی مین طریقۂ تعلیم کی نسبت ایک تحریر ملی جو انکا ذاتی تجربہ ہے۔ وہ اس طریقہ کو بہت نافع فرماتے ہین۔ چونکہ ایک بلند پایہ انسان کا بیان ہے اسلیے اسکو بیان بجنسہٖ نقل کردینا مناسب سمجھتا ہون۔ تحریر فرماتے ہین،

طریق تعلیم علم چنانکہ بتجربہ محقق شدہ آن ست کہ نخست رسائل مختصرہ صرف ونحو درس گویند سہ سہ نسخہ از ہر یکے یا چار چار بقدر ذہن طالب۔ بعد ازان کتابے از تاریخ یا حکمت عملی کہ بزبان عربی باشد آموزند۔ ودران میان بر طریق تتبع کتب لغت وبرآوردن مشکل از جائے آن مطلع سازند۔ چون قدرت بزبان عربی یافت موطا بروایت یحیٰی بن یحیٰی مصمودی بخوانانند وہرگز ان را معطل نگذارند کہ اصل علم حدیث ست۔ وخواندن آن فیضہا دارد، مارا سماع جمیع آن مسلسل ست۔ بعد ازان قرآن عظیم درس گویند۔ بآن صفت کہ صرف قرآن خوانند بغیر تفسیر وترجمہ گوید۔ وآنچہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود وبحث نماید۔ بعد فراغ از درس، تفسیر جلالین را بقدر درس بخوانند دریں طریق فیضہاست بعد ازان دریک وقت کتب حدیث بخوانند مانند صحیحین وغیر آنہا

وکتب فقہیہ وعقائد وسلوک۔ ودریک وقت کتب دانشمندی مثل شرح ملاجامی وقطبی
وغیرآن الی ماشاء اللہ، واگر میسر آید کہ مشکوۃ رایک روز بخواند وروز دیگر شرح طیبی
بقدر آنچہ روز اول خواندہ است بخواند۔ خیلے نافع ست،

تقسیم جماعات

یا

مدارج امتیازی

جہانتک تاریخ کی روشنی مین ہم گذشتہ مدارس پر نظر ڈال سکے عام طور پر یہ نظر آیا کہ قدیم زمانہ مین درجہ وار تقسیم کا جو طریقہ اب ہے کبھی نہ تھا۔ البتہ آخر زمانہ مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام زیر درس کتابین تین بڑے حصون مین منقسم ہین۔ مختصرات، متوسطات اور مطولات جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

میزان سے لیکر قطبی تک مختصرات،

شروح سلم وزوائد ثلاثہ متوسطات،

صدرا، شمس بازغہ اور بیضاوی وغیرہ مطولات،

طلبار کے مدارج امتیازی کا معیار بھی یہی کتابین تھین۔ ترقی کا طریقہ (تصریحًا نہین معلوم مگر) غالبًا یہی تھا کہ نیچے درجے کی کتابین ختم کر چکنے کے بعد طلبار خود بخود اوپر کے

درجون مین شریک ہونے کے مستحق ہوجاتے تھے،

القاب طلباء

بلحاظ تعلیم فنون فارغ التحصیل طلبار کے لیے تین لقب تھے فاضل، عالم اور قابل انہین القاب کے ساتھ سالانہ جلسوئین انکو سندین دیجاتی تھین۔ جنکی تقسیم اسطرح تھی،

(۱) جو شخص منطق وحکمۃ مین ماہر اور دینیات مین قلیل العلم ہوتا تھا اسکو فاضل

(۲) جو شخص محض دینیات مین پوری دستگاہ رکھتا تھا اسکو عالم

(۳) اور جو شخص صرف فنون ادبیہ مین مہارت کامل رکھتا تھا اسکو قابل کے القاب دیے جایا کرے تھے،

مخصوص علمی مقامات

پہلے مختلف علوم وفنون کے لیے مقامات مخصوص ہوتے تھے، جہان سے بڑھکر ان علوم کی تعلیم کہین بھی نہیں ہوتی تھی اس زمانہ مین طلبار سفر وسیاحت کرکے مختلف مقامات سے مختلف علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ اور جو مقام جس فن کے لیے مشہور ہوتا اسکو وہین جاکر حاصل کرتے تھے مثلاً

صرف ونحو پنجاب مین

حدیث وتفسیر دہلی مین

منطق وحکمت، رامپور مین

فقہ، اصول فقہ، کلام، لکھنؤ مین

فارسی زبان وفنون کی تعلیم

گذشتہ صفحات مین جو کچھ لکھا گیا ہے اسکا تعلق عربی تعلیم سے ہے جو گویا کالج کی تعلیم تھی ابتدائی تعلیم یا اسکول کی زبان مسلمانون کے عہد حکومت مین فارسی تھی۔ کیونکہ حکمران جماعت کی مادری زبان فارسی تھی اور اس لیے انکے عہد حکومت مین ابتدائی تعلیم اور کاروباری زبان بھی فارسی ہوگئی۔ یہ اسی کا بقیہ اثر ہے کہ ہم آج تک ہندوستان کے مکاتب ومدارس بلکہ انگریزی اسکولن اور کالجون تک مین فارسی زبان کی تعلیم کا وجود پاتے ہین، آج سے پچاس برس بیشتر تک ہندوستان کے عام مراسلات اور خانگی خط وکتابت مین ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان فارسی ہی زبان استعمال کرتے تھے،

لیکن اس سے بلند معیار کے مطابق اس موقع پر یہ دکھانا نہایت ضروری ہے ہندوستان مین فارسی زبان اور اسکے فنون کی تعلیم کے نتائج وثمرات کیا ہین؟ کیونکہ ہر چیز کی کامیابی وناکامیابی کا صحیح معیار اسکے نتائج وعواقب ہی ہوتے ہین۔ فارسی

لٹریچر کے دونون حصے نظم ونثر کے ماہر وکامل مسلمانون مین سے جتنے اشخاص پیدا ہوئے
ہم یہان پر انمین سے صرف دوچار ایسے اشخاص کا تذکرہ کردینا کافی سمجھتے ہین جن کے
فضل وکمال کا خود اہل زبان کاملین فن نے اعتراف ہی نہین کیا بلکہ انکی تقلید
وپیروی کو اپنا طغرائے امتیاز سمجھتے رہے۔ ہندوستان مسعود سعد سلمان۔ حضرت امیر خسروؒ
حسن دہلوی۔ فیضی اور غالب پر جسقدر چاہے فخر وناز کرسکتا ہے۔ سعد سلمان غزنویہ
عہد حکومت کا سب سے زیادہ باکمال ماہر فن اور شہرہ آفاق شاعر ہے اسکی فضیلت و
کمال فن کا آوازہ ایران وہندوستان دونون ملکون مین یکسان طور پر بلند تھا۔
امیر خسرو کا پایہ اس سے بھی کہین بلند ہے۔ علامہ شبلی شعر العجم حصہ دوم مین لکھتے ہین،

ہندوستان مین چھ سو برس سے آج تک اسدرجہ کا جامع کمالات نہین پیدا ہوا
اور سچ پوچھو تو اسقدر مختلف اور گوناگون اوصاف کے جامع ایران وروم
کی خاک نے بھی ہزارون برس کی مدت مین دوہی چار پیدا کئے ہونگے صرف
ایک شاعری کو لو تو انکی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے فردوسی، سعدی، انوری، حافظ،
عرفی، نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم وکے ہین لیکن انکی حدود حکومت ایک اقلیم
سے آگے نہین بڑھتے۔ فردوسی مثنوی سے آگے نہین بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو
ہاتھ نہین لگا سکتے، انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہین سکتا، حافظ، عرفی، نظیری
غزل کے دائرہ سے باہر نہین نکل سکتے۔ لیکن خسرو کی جہانگیری مین غزل، مثنوی
قصیدہ، رباعی، سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین

مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہین،

مولنا جامی نے بہارستان مین لکھا ہے کہ خمسہ نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہین لکھا طوطی ہند جوان کا خطاب تھا خواجہ حافظ اور عرفی بھی انکو اسی خطاب سے یاد کرتے ہین،

حافظ شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

عرفی بر روح خسرو از ین پارسی شکر دادم کہ کام طوطی ہندوستان شود شیرین

حضرت امیر خسرو کی یہی ہمہ گیر صلاحیت و قابلیت تھی جسکے آثار و علائم انکی ابتدائی زندگی سے ظاہر ہو رہے تھے اور انہی آثار کی بنا پر جب انکی عمر اکتیس بتیس برس کی تھی اور انکی شاعری اپنی ترقی و کمال کے ابتدائی دور سے گذری تھی تو شیخ سعدی شیرازی نے انکے اسوقت کے کلام کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ خسرو جوہر قابل اور لائق تحسین و تربیت ہین،

حَسن جو امیر خسرو ہی کے معاصر اور محبوب ہین انکا تغزل پر خاص احسان ہے، انکے کلام مین جو سلاست روانی، صفائی حسن ادا اور فصاحت ہے وہ ترقی کی طرف فن غزلگوئی کا پہلا قدم ہے لیکن ان سب سے بڑھکر یہ کہ معنوی حیثیا سے جو سوز و گداز اور جذبۂ و اثر انکے ہان پایا جاتا ہے اس سے امیر خسرو کا کلام بھی خالی ہے۔ ذیل کے چند شعرون سے اسکا اندازہ ہو سکتا ہے،

خلق گوید دل از صبر بجا آور باز ایدل از صبر نشانے دہ اگر جائے ہست
ایکہ نظارۂ دیوانہ نکردی ہرگز قدمے رنجہ کن این سوے کہ رسوائے ہست

برچون تو کسے دگر گزیدن | کارے دگر است کار من نیست
گفتی کہ چرا جدائی از من | این از فلک است از حسن نیست

باز این دلم بسوے دلارام میرود | از دام جستہ باز سوے دام میرود

طرفہ سرو کار یست کہ با وعدۂ معشوق | صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد

از حسن اینچہ سوال است کہ معشوق کہ بیست | این سخن را چہ جواب است تو ہم میدانی

گفتی کہ چرا حال دل خویش نگوئی | من خود کنم آغاز بہ پایان کہ رساند؟

(شعر العجم) ملخصاً

فیضی اکبری دربار کا ملک الشعرا تھا جہان بیسیون اہل زبان (ایرانی) شعرا موجود تھے۔ظاہری محاسن کے علاوہ معنوی حیثیت سے اسکی شاعری مین جتنی خصوصیات ہین انکی تفصیل کا یہ موقع نہین تاہم اتنا کہے بغیر نہین رہا جا سکتا کہ جوش بیان مین یہ تمام شعرا سے اسقدر آگے نظر آتا ہے کہ یہ اسکے خاص حصہ کی چیز ہو گئی ہے، اسمین شبہہ نہین کہ جوش بیان خواجہ حافظ مین بھی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہے لیکن وہ رندانہ مضامین اور بے ثباتی عالم کے ساتھ مخصوص ہے۔فیضی کے ہان فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین مین یکسان جوش

پایا جاتا ہے۔ اسکی دوسری ممتاز خصوصیت استعارات کی شوخی اور تشبیہات کی ندرت ہے گو اکبری دور کے شعرا مین یہ وصف عام ہے لیکن نوعی شیرازی اور عرفی اسمین اپنی تمام معاصرین سے ممتاز ہین اور فیضی ممتاز تر۔ اسی مہارت و کمال فن کا یہ نتیجہ ہو کہ میرزا صائب فیضی کی غزل پر غزل کہتے ہین تو مقطع مین کہتے ہین!

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت	در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

سیمی قلندر ایک ایرانی شاعر تھا اُنھون اپنے ممدوح خانخانان کی مدح مین فیضی کے فضل و کمال کا یون اعتراف کیا!

ز فیض نام تو فیضی گرفت چون خسرو	بہ تیغ ہندی اقلیم سبعہ را یکسر

علی نقی کمرہ ایران کے مشہور شاعر نے فیضی کی مدح مین قصیدہ لکھکر ایران سے اسکے پاس بھیجا جسمین لکھا!

مرا فگند بر نظم اور مہ پیر تو فیضی	ابوالفیض آن گزین اکبرو تیغ گیر من
اگر ہستم مجیر اندر سخن او ہست خاقانی	و گر من منجیر آستان او مجیر من
کیم با او رسد در شاعری دعوائے ہمچشمی	کہ در این خانقاہم من یدو او دست پیر من (شعر العجم ملخصاً)

سب سے آخر مین خاتم الاساتذہ مرزا غالب کا نام لینا چاہیے جنکے معجزانہ کمال فن نے فارسی شاعری کے مردہ جسم مین دوبارہ روح پھونکی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی زمانہ مین ایران اور ہندوستان دونون ملکون مین غالب اور قاآنی فارسی شاعری کی اصلاح و ترقی مین مصروف تھے۔ ان دونون مین جس طرح یہ بتانا مشکل ہے کہ کون، کس سے متاثر ہوا ٹھیک اسی طرح نتائج کے لحاظ سے بھی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہایت دشوار ہے۔ ہم اجمالی طور پر صرف اتنا کہہ سکتے ہین کہ قاآنی کو پڑھکر اگر فرخی و منوچہری وغیرہ کا دھوکا ہوتا ہے تو غالب کا کلام اسمٰعیل کمال اور سلمان ساوجی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اگرچہ مرزا

غالب کا ابتدائی کلام گو خفیف سہی لیکن لغزشون سے خالی نہین اور وہ جب تک مرزا بیدل اور ظہوری کی راہ پر چلنے کی کوشش کرتے رہے گمراہیون مین مبتلا رہے۔ لیکن آخر آخر مین جس طرز پر کہنے لگے تھے وہ یقیناً استاذانہ طرز تھا اور اس مین انکے کمال و مہارت فن کا ثبوت ہر موقع پر ملتا ہے شلاً انکا وہ قصیدہ جسکا یہ مطلع ہے،

روا ست شور نشید و ترانہ مستان را   بشرط آنکہ نگویند را ز پنہان را

کسقدر پختگی، سلاست، صفائی اور استاذانہ خصوصیات سے لبریز ہے۔ مرزا غالب نے اس قصیدہ کے آخر مین شاعرانہ فخر و ادعا کے طور پر خود ہی صاف کہدیا ہے،

چنان نگاشتہ ام این ورق کہ گر نگرد   نہد ز دست قلم نقشبند شروان را
(خاقانی)
گزیدہ ام روشِ خاص کاندرین ہنجار   بپویہ پائے بلرزد ظہیر و سلمان را

اب نثر کے سلسلہ مین غور کیجیے تو امیر خسرو کی اعجاز خسروی کا نام آتا ہے جس مین نثر نویسی کے اصول و قواعد بیان کئے گئے ہین اور اپنے فن مین غالباً یہ پہلی تصنیف ہے یہ قدیم دور کی چیز ہے اسلیے اسمین قدامت کی خصوصیات نمایان ہین یعنی ہر طرح کے صنائع و بدائع کی خاص طور پر پابندی کی گئی ہے اسکے بعد اہمیت فن و انشار کے لحاظ سے ابوالفضل کی تصنیفات آئین اکبری وغیرہ کا نام آتا ہے۔ ابوالفضل کی انشا پردازی گو قدما کے طرز سے کسیقدر مختلف ہے اور صنائع و بدائع کی سخت پابندیون سے بہت کچھ آزاد ہے تاہم دقت پسندی، فخامت الفاظ اور دوسری قسم کی رنگ آمیزیون سے وہ بھی خالی نہین۔ البتہ اسی زمانہ مین ابوالفضل کے بھائی ابوالفیض فیضی نے سادہ نگاری کی

ابتدا کی۔ انشائے فیضی فیضی کے خطوط و مراسلات کا مجموعہ ہے اسوقت تک خطوط اور مراسلات سے بیانِ واقعہ کی بجائے زیادہ تر انشا پردازی کا اظہار مقصود ہوتا تھا فیضی نے اس کی اصلاح کی اور سادہ نگاری و واقعہ نویسی کو رواج دیا۔ چنانچہ اسکے خطوط سے اس زمانہ کے تمدن تہذیب معاشرت آداب رسوم ہر قسم کے حالات معلوم ہو سکتے ہین اسکے بعد ہمکو اس کتاب کا نام لینا چاہیے جو کمال قوت تحریر کی بہترین نظیر ہے اور جسکے مصنف کی قوت تحریر حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہے یعنی شاہنشاہ جہانگیر کی تزک جہانگیری۔ اسمین ہر قسم کے واقعات کو جس خوبی، سادگی، صفائی اور بے تکلفی سے بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ہر جگہ زبان کا لطف بھی قائم رکھا ہے فارسی انشا پردازی مین اسکی کوئی مثال نہین۔ عالمگیر کے رقعات بھی سادگی و صفائی مین اسکے ہمپایہ ہین بلکہ ممکن ہے کہین کہین بعض حیثیتون سے بہتر ہون۔ تاہم لطف، زبان و رعایت اصول انشا پردازی کے لحاظ سے عالمگیر کہین کہین ٹھوکرین کھاجاتا ہے لیکن جہانگیر کے قلم کو لغزش تک نہین ہوتی اور پھر لطف عبارت، اور معتدل رنگینی ادا کا لحاظ کیا جائے تو رقعات عالمگیر کو تزک جہانگیری سے کوئی نسبت نہین۔ اور سچ یہ ہے کہ ہو بھی نہین سکتی کیونکہ زہد خشک اور رنگینی ادا دونون ایک جگہ جمع نہین ہو سکتے۔ با اینہمہ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی انشا پردازی کی یہ دو ممتاز کتابین اس قابل ہین کہ ان پر ہزارون ظہوری، وقائع نعمت خان عالی اور منشآت ملا طاہر وحید نثار کردیجائین، انکے علاوہ یہان فارسی زبان مین بہت سی کتابین لکھی گئین جنمین ممکن ہے کہ کہین کہین

مذکورہ بالا خصوصیات کے عمدہ نمونے موجود ہون۔لیکن اس موقع پر ہم انکے تذکرے کو قصداً قلم انداز کرتے ہین کیونکہ یہان گفتگو زیادہ تر فارسی کے ادب وانشا پردازی سے ہے، لیکن یہان تک جو کچھ ہوا وہ خاص مسلمانون کا تذکرہ تھا جن کی زبان ہی فارسی تھی۔اب ہمین ہندوؤن کے متعلق یہ دکھانا چاہیے کہ انھون نے اسلامی تمدن وحکومت کے زیر تربیت اس زبان مین کیا کیا ترقیان کین، افسوس ہے اس رسالہ مین زیادہ تفصیل کی گنجائش نہین اسلیے ہر چیز مین صرف اجمالی بیان پر اکتفا کرنا ہوگا اور محض اسم شماری سے زیادہ کی نوبت نہ آسکے گی،

ہندو بہت دنون تک اس زبان سے بالکل الگ اور ناآشنا رہے لیکن دسوین صدی کے آغاز یعنے سکندر لودی کے عہد حکومت مین انھون نے بھی اسکی تحصیل وتعلم کی ضرورت محسوس کی اور بالآخر ایسی کامیابی کے ساتھ اسکو حاصل کیا کہ زباندانی مین مسلمانون کا مقابلہ کرنے لگے۔کسی زبان کی تحصیل کے صرف یہ معنے نہین ہین کہ انسان محض اس کا حرف شناس ہو یا معمولی طور پر بول اور سمجھ لے بلکہ معنی یہ ہین کہ اس مین جو کچھ علمی وادبی سرمایہ ہو اسپر پوری دستگاہ حاصل کرے۔اس اصول کی بنا پر اگر واقعات کا استقصار کیا جاے تو صاف نظر آئیگا کہ ہندوؤن نے فارسی زبان کے تمام علمی وادبی شعبون پر کامل قدرت حاصل کرلی تھی۔اور انمین فارسی زبان کے بہتر سے بہتر ادیب، شاعر اور مصنف پیدا ہوئے، جنکی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے

فن تاریخ مین لب التواریخ۔تاریخ شاہان ہند۔راجاولی۔حالات مرہٹہ۔

خلاصتہ الہند۔ فتوحات عالمگیری۔ تاریخ دلکشا۔ تاریخ کشمیر۔ تاریخ آصفی۔ گوالیارنامہ۔ تاریخ سورت۔ خلاصتہ التاریخ۔ تاریخ فرمانروایان ہنود۔ تحفۃ الہند۔ نظارۃ السند۔ واردات قاسمی۔ مخزن العرفان۔ سلطان التواریخ، چارگلشن اور قسطاس وغیرہ فارسی زبان کے ہندو مصنفین کی یادگارین ہین۔ آخرالذکر کتاب علوم وفنون کی مفصل تاریخ ہے مصنف نے اسکو چار حصون پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے مین ہندوؤنکا فلسفہ ہے دوسرے مین یونانیونکا، تیسرے مین عربون کے علوم وفنون اور چوتھے مین یورپ کا جدید سائنس عربون کے علوم پر جو کچھ لکھا ہے اسکو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اسقدر ربط کے ساتھ لکھنے مین کیونکر کامیاب ہوا،

تذکرون مین سعیدنامہ، تذکرۃ الامرا۔ سفینۂ عشرت۔ حالات نانک شاہ۔ شام غریبان۔ سفینۂ خوشگو حدیقۂ ہندی۔ امیرنامہ، سفینۂ ہندی، حالات بابالال گرو، گل رعنا، اور ہمیشہ بہار وغیرہ ہندوؤنکے قلم سے نکلی ہوئی فارسی کتابین ہین آخرالذکر کتاب کے معتمد علیہ ہونے کا یہ حال ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی اسکو خزانۂ عامرہ کی تالیف مین اپنا ماخذ قرار دیتے ہین،

فارسی لغات مین گردھاری لال کی گنج لغات۔ پنڈت گنگا بشن کی شیروشکر، سیالکوٹی مل وارستہ کی مصطلحات الشعرا اور ٹیک چند بہار کی بہار عجم مشہور ومعروف کتابین ہین،

صرف وقواعد مین فوادرالمصادر، بہار علوم، اور ہفت گل یہ سب کتابین

ہندوؤنکی مصنفات و مؤلفات ہین،

ہندوستان مین فارسی زبان کے ہندو شعرا جتنے گذرے ہین انکا یہان مفصل تذکرہ تو نہین کیا جاسکتا۔ لیکن منتخب طور پر چند شاعرون کا نمونۂ کلام دیے بغیر گذر جانا مناسب نہین۔ کیونکہ ان مثالون سے ہر شخص کو ہندوؤن کی فارسی دانی و قدرت زبان اور فارسی زبان کے عموم و رسوخ کے اندازہ کرنے کا موقع ملے گا۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون باستثنا چند ہندوستان مین جو مسلمان فارسی شعرا گذرے ہین کیا یہ اشعار انکے اشعار سے پست ہین؟

آرام نام منشی ایسری داس، نظام الملک آصفجاہ کے مدح مین لکھتا ہے،

بفر کوکبۂ بخشی ممالک ہند | سزد کہ باج ز خوارزم و زختن گیرند
شہان ز صولت آن جم وقار آصفجاہ | رکاب توسن شاہنشہ زمن گیرند
جوان و صاحب بخت جوان نظام الملک | کہ یاد ہمت از و مردم دکن گیرند
برید گردن بلوئے فتنہ ساز بخت | چنانکہ صبح سر شمع در لگن گیرند

الفت نام لالہ اوجاگر، قوم کالیستھ، وطن عظیم آباد،

درآمد شام غم در سینہ حسرت نام مہمانے | زداغ دل کشیدم بے تکلف پیش او خوانے

لہ فارسی زبان کے ہندو مصنفین، مترجمین، شعرا اور انشاپردازون کا مفصل تذکرہ محترمی جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی معارف کے مقالات "ہندوؤنکی تعلیمی و علمی ترقی مین مسلمانونکی کوشش" کے سلسلہ مین تحریر فرماچکے ہین۔ اسلیے یہان اجمالی اشارات پر اکتفا کیا گیا جسکو تفصیل دیکھنا ہو اُن مضامین کو دیکھے۔

الفت | نام راجہ الفت رائے، بخشی ممالک اودھ،

نیست اہل آسمان را بر درت بے اذن بار | می کند گردون طواف درگہت لیل ونہار
ہرچہ ناممکن بود آید ز تو بر روے کار | از غبار درگہ عرش احترامست آشکار

الفتی | نام راجہ پیارے لال، قوم کایستھ، وطن عظیم آباد، تنوی نیرنگ تقدیر اسکی مشہور ومقبول ثنوی ہے،

چون غنچہ جز سکوت نباشد بیانِ ما | پیچیدہ شد زبان سخن در دہانِ ما
اندیشۂ مآل نیاید ز ما درست | در دست دیگرست چو سود وزیانِ ما
در دشتِ پر بلائے جنون نیست الفتی | جز موج ریگ اشک دان کاروان ما

امانت | راجہ امانت رام

شکر للہ نقش پائے سرجبینے یافتم | آرزوے سجدہ میکردم زمینے یافتم

مونس | نام لال چند، قوم کایستھ، وطن لکھنؤ،

روح جمشید برد رشک بہ مے نوشی ما | کہ لب یار بود مایۂ بیہوشی ما
جائے رحم ست خدارا نتوان کرد دریغ | ہست وابستہ تیغ تو سبکدوشی ما

برہمن | چندر بھان ساکن آگرہ، دارا شکوہ کا میر منشی تھا،

کنم زسادہ دلی بند دیدہ مژگان را | بمشت خس نتوان بست راہ طوفان را

تفتہ | منشی گوہر لال قوم برہمن،

چند گوئی کہ نشان نیست ز خونین کفنان | نگر این لالہ کہ بینی ز شہیدانِ تو نیست

خوشدل | رائے امر سنگھ قوم کایستھ ساکن کرہ مانکپور مصنف تاریخ فرمانروایان ہنود

گرم است بسکہ نالۂ آتش فشانِ ما | سوزد برنگ شمع زبان در دہانِ ما

موجد | لالہ کالکا پرشاد لکھنوی،

رسائی نیست تا سرمنزل و کفر و ایمان را | کہ دیر و کعبہ سنگ رہ بود گبر و مسلمان را

منشی | لالہ فتح چند برہانپوری

نیست آسائش بمنزل جانِ از خود رفتہ را | ہر قدم دام است نقش پا شکار جستہ را
بسکہ از شرم تو در پرواز رنگ گلشن است | رشتۂ نظارہ بندد در ہوا گلدستہ را

منوہر | رائے منوہر لال یکے از امرائے اکبر بادشاہ

روزیکہ سموم حشر افزون گردد | در آتش غم چو چہرہ گلگون گر
ما در دوزخ چنان بدوقے سوزم | کز رشک دلِ بہشتیان خون گردد

یہ معلوم کرکے ہر شخص کو حیرت ہوگی کہ یہ ان لوگون کی فارسی زباندانی کا نمونہ ہے جنکے آباواجداد صدی دو صدی پہلے زبان تو کہان، اسکے الفاظ و حروف کے صحیح تلفظ پر بھی قدرت نہین رکھتے تھے۔ دسوین صدی ہجری کے آغاز سے ہندوؤن نے فارسی زبان کی تعلیم شروع کی تھی اور اسکا سلسلہ تیرھوین صدی کے اوائل یا زیادہ سے زیادہ وسط تک قائم رہا،

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ آخر یہ نتائج کیونکر پیدا ہوئے؟ اسقدر قلیل مدت مین کیونکر فارسی زبان و فنون پھیل گئے، ہندوؤن نے کس طرح اس سرعت کے ساتھ

اس زبان مین کافی مہارت حاصل کر لی ؟ توان سوالات کا صحیح جواب صرف یہ ہے کہ کسی زبان کی تحصیل کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ اہل زبان کی صحبت نصیب ہو آج بھی غیر زبانون کی تحصیل کا اچھا اور سہل طریقہ یہی مانا جاتا ہے کہ انسان جس زبان کو سیکھنا چاہے اس زبان کے جاننے والے سے اسی مین گفتگو کیا کرے ،

چنانچہ اسوقت ہندوؤن کو یہی موقع حاصل تھا، مسلمانونکی معاشرت اسقدر عام اور غیر متعصبانہ تھی کہ ہندو علی العموم مسلمان امرا و رؤسا کی مجلسون مین مساویانہ شریک ہوتے تھے، اور تو اور خود اکبر، جہانگیر، شاہجہان، داراشکوہ دربار حکومت مین تو بے شبہ حاکم بنکر بیٹھتے تھے لیکن معاشرتی صحبتون مین جنمین ہندو مسلمان دونون شریک ہوتے تھے بالکل ایک متقدر رنگ بے تکلف شریک بزم نظر آتے تھے ۔ صرف یہی چیز تھی جس نے فارسی زبان کو ہندوستان مین عام کر دیا اور ہر کس و ناکس کے کام و دہن بادۂ ایران کی لذت سے آشنا ہو گئے ، لیکن ہان یہ سہولت جو کچھ تھی محض زبان سیکھنے کے لیے مفید تھی جب فارسی زبان مین علوم و فنون کی تعلیم ہونے لگی تو پھر نصاب درس بھی مقرر کیا گیا ۔ جس کے مطابق تعلیم دیجاتی تھی ،

طریقۂ تعلیم

ابتدائً ہندو بچون کو فارسی حروف کی شناخت، تلفظ، اور کتابت مین سخت دشواریان پیش آتی تھین ۔ ہندو آرین نسل سے ہین اور تمام آرین تحریرین بائین

جانب سے داہنے کی طرف لکھی جاتی ہین لیکن انکو فارسی تحریر دن مین اپنی اس قدیم قومی و نسلی عادت کے خلاف داہنی طرف سے بائین طرف لکھنا پڑتا تھا۔ ان مشکلات کو رفع کرنے کے لیے اکبر نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً استاد بچونکو مفرد حروف بھجوائے اور اسکی مشق کرائے پھر اعراب اور مرکب حروف۔ غرض اسطرح تدریجاً چھوٹے چھوٹے جملون اشعار اور طویل عبارتون تک قوت نوشت و خواند کو ترقی دیجاے، آئین اکبری مین اسکی تفصیل ان الفاظ مین ہے،

بفرمودۂ گیتی خداوند حروف ابتث (یعنے مفردات اب ت ث) برنویسند و دیگر پیکر را بدانسان نگارند، نخست بصورت و نام آشنا گردند و در دو روز بیش نکشد کہ از نقوش پیوستہ (یعنی مرکب) آگہی برگیرد........ و کوشش رود کہ ہر یک را (نوآموز) خود بشناسد واندکے استاد دستگیری کند،

اس طریقۂ تعلیم کی کامیابی کے متعلق ابوالفضل کی شہادت ان الفاظ مین ہے،

بدین روش آنچہ بسا لہا آموختے بماہ بل بروز کشید و جہانی بشگفت درآمد....

.... وازین طرز آگہی مکتبہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ یافت،

اس سلسلہ مین ابوالفضل کا یہ بیان بھی کہ اسوقت فلان فلان علوم کی تعلیم ہوتی تھی قابل تحریر ہے چنانچہ لکھتا ہے،

اخلاق۔ حساب، سیاق۔ فلاحت۔ مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست مدن۔ طب، منطق، طبیعی، ریاضی الٰہی تاریخ مرتبہ اندوزد،

واز ہندی علوم بیاکرن۔ نیائے، ابیدانت۔ پاتنجلؒ برخواند،

فارسی نصاب درس

مین نے حتی الامکان بڑی تلاش وجستجو کی۔ لیکن تفصیل کے ساتھ فارسی کی متداول تاریخون مین کہین فارسی نصاب درس کا تذکرہ نہ ملا۔ ہان اشخاص کے حالات، تذکرے اور دوسرے مختلف ذریعون سے اجمالی طور پر صرف اتنا معلوم ہوا کہ،

(نثر مین) نسخہ قیلمہ، تعلیم عزیزی، دستور الصبیان، انشاء مادھورام، انشاء رفائق، انشاء خلیفہ، رقعات عالمگیری۔ گلستان، ابو الفضل، بہار دانش، انوار سہیلی، سہ نثر ظہوری، وقائع نعمت خان عالی،

(نظم مین) کریما، مامقیمان، خالق باری، بوستان، یوسف زلیخا، قصائد عرفی، قصائد بدر چاچ، دیوان غنی، سکندر نامہ وغیرہ،

کتابین عام طور پر پڑہائی جایا کرتی تھین۔ مجھے تعجب تھا کہ شاہنامہ، تصانیف خسرو، دیوان صائب اور دیوان حافظ جیسی عمدہ کتابین اپنے گوناگون محاسن وفوائد کے باوجود کیون نہین پڑہائی جاتی تھین۔ اس کے علاوہ تاریخ جیسا ضروری فن بالکل غائب تھا، اخلاق کی کتابین بھی برائے نام تھین۔ بار بار یہی خیال ہوتا تھا کہ موجودہ معلومات اور جستجو اپنے نتائج کے روسے بالکل نامکمل ہے غرض کسی طرح مجھ کو تسکین

لہ یہ اور اوپر کی عبارتین آئین اکبری جلد اول دفتر دوم آئین آموزش کی ہین،

وتشفی نہ تھی

اسی اثنار مین کتب خانۂ الاصلاح موضع دسنہ (علاقہ بہار) سے رقعات عالمگیری کا ایک قدیم قلمی مجموعہ اسکی ترتیب و تصحیح کی ضرورت سے میرے پاس آیا۔ حسن اتفاق سے اسین ایک اور کتاب بھی ہاتھ آئی جس کا نام خلاصۃ المکاتیب اور سال تصنیف سنہ ۱۱ہجری ہے،

یہ کتاب ایک ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہوئی ہے، خود مصنف کے نام کا توکہین ذکر نہین لیکن آغاز کتاب مین مصنف نے سبب تالیف یہ لکھا ہے،

از چندگاہ فرزند ارشد ارجمند نور چشم مراد فروغ دیدۂ استعداد زیب باغ زندگانی زینت چراغ کامرانی۔ ثمرہ شجرہ آمال و امانی بہار پیرائے گلشن رضاجوے رونق افزاے چمن فرخندہ خوئی مظہر دانش و فرہنگ راے سنگہ بہ تقاضاے طبع انشار دوست استدعامی نمود کہ نسخۂ متضمن بہ منشآتے کہ پسند طبع انشا، طالبان توا ند بود ترتیب باید داد . . . .

. . . . این نسخہ کہ مسمے بہ خلاصۃ المکاتبت است در سہ چہل و دو عالمگیری مطابق یکہزار و یکصدی ہجری مرتب گردانیدہ،

یہ تو واضح ہے کہ یہ کتاب بالکل منشیانہ ضرورتون کے لیے لکھی گئی ہے، یعنی اس مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ مختلف اشیار و مناظر کو کس طرح لکھنا چاہیے۔ مختلف موقع و موسم کے بیان مین کن چیزونکو خاص طور پر نمایان کرکے دکھلانا ضروری ہے،

کتاب کا آغاز ز اخلاق حسنہ سے کیا گیا ہے اسمین عبادت، صحبت نیکان، ترک کبر و رعونت، ادب و تعظیم بزرگان، مذمت بخل، ترک اسراف، آداب مجلس وغیرہ مختلف عنوانات ہین، اسکے بعد، بیان تعریف علم، تعریف کارد، تعریف کاغذ، تعریف خط، بیان خوانائیدن طفل، بیان منشی گیری کے ابواب ہین، اس کے بعد بیان امساک باران، بیان قحط و گرانی، بیان بہار برساتی، بیان برشگال، بیان بہار نوروزی، بیان بہار زمستان، بدائت زمستان، موسم خزان، مزروعات ربیعی، بیان میوہا، بیان گلہا، بیان آبہاے روان، تعریف باغ، تعریف شہر وغیرہ گوناگون مضامین کو نہایت تفصیل اور سلیقہ سے لکھا ہے،

"بیان خوانائیدن اطفال" مین مصنف نے تفصیل کے ساتھ ابتدا سے انتہا تک درجہ بدرجہ فارسی درسی کتابون کے نام لکھے ہین، مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ بچون کو اسی ترتیب کے ساتھ کتابین پڑہائی جائین۔ اگرچہ یہ کوئی تاریخی کتاب نہین اور نیز خاص طور سے نہ تو قدیم نصاب درس ہی کو لکھنا اس کا مقصود ہے۔ تاہم مصنف نے اپنی رائے اور خیالات کے سلسلہ مین جس ترتیب کے ساتھ جن کتابون کے نام لئے ہین ان سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ گیارہوین صدی مین یہ کتابین پڑہائی جاتی تھین ممکن ہے کہ ہر جگہ بالالتزام یہ تمام کتابین نہ پڑہائی جاتی ہون لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہین کہ ان کتابون کا ایک بڑا مشترک حصہ ایسا ضرور ہے جو اسوقت عام طور پر داخل درس تھا،

مصنف نے اس باب مین بالترتیب پانچ فنون کی کتابون کا تذکرہ کیا ہے

اور وہ یہ ہین،

(۱) ادب و انشار

(۲) نظم و شعر

(۳) افسانۂ و حکایات

(۴) تاریخ

(۵) اخلاق

اگر اس موقع پر مصنف کی پوری عبارت نقل کیجائے تو صفحے کے صفحے سیاہ کرڈالنا پڑینگے جن سے غیر معمولی طوالت ہوگی کیونکہ قدیم مذاق انشا پردازی کی رعایت مین ذرہ سی بات کئی کئی سطرون مین ادا کی گئی ہے اس بنا پر مین اس غیر ضروری نقل سے کنارہ کش ہوکر جستہ جستہ عبارت اور تمام کتابونکے نام بہ ترتیب لکھتا ہون،

چھوٹے بچون ابتدائی تعلیم کے بعد کےلیے لکھتا ہے،

پس ازان بخواندن کتب متبرک عندلیب گلستان شیراز، بلبل بوستان حقیقت و مجاز حضرت شیخ مصلح الدین انارا اللہ برہانہٗ کہ بہ سعدی شیرازی مشہور است چراغ خرد را روغن اندازد پس ازین کتب پایہ بپایہ خواند، و خوانندہ را در وقت فرصت و ایام تعطیل سر کند تا عبارات مشکلہ کہ دریافت آن موقوف بر تکرار است فراموش نگردد،

(۱) اس کے بعد مصنف انشا آموزی کے لیے حسب ذیل کتابون کی طرف رہنمائی کرتا ہے،

بدائع الانشا مشہور بہ انشائے یوسفی	مرقومات ملا جامی و ملا منیر م
مکتوبات ابوالفضل	گلدستہ شیخ عنایت اللہ منشی شاہجہان
بہار سخن از شیخ محمد صالح	رقعات عالمگیری
مکتوبات ملا منیر	منشآت شیدا و ملا طغرا
کارنامہ لعل چند	کتاب لیلاوتی ترجمہ شیخ فیضی

بیچ بیچ مین مصنف نے سلسلہ بیان مین بہت سی مفید ہدایتین بھی لکھی ہین جن سے درحقیقت غیر معمولی فوائد ہر طالب کو پہنچ سکتے ہین،

(۲) اسکے بعد نظم و شعر کی تعلیم کے متعلق لکھتا ہے،

چون طریقۂ خطوط نگاری بدست افتد برائے جلائے طبیعت پایہ بپایۂ کتب متعارفہ کہ . . . . اند بر خواند •

اس سلسلہ مین حسب ذیل کتابونکے نام درج ہین،

یوسف زلیخا، تحفۃ الاحرار، نسخۃ الابرار از ملا جامی۔ سکندر نامہ۔ مخزن اسرار ہفت پیکر، شیرین خسرو، لیلی مجنون از مولنا نظامی، قران السعدین مطلع الانوار اعجاز خسروی از امیر خسرو دہلوی،

دیوان شمس تبریز۔ دیوان ظہیر فاریابی، دیوان سعدی، دیوان حافظ

قصائد انوری، قصائد خاقانی، قصائد عرفی، دیوان فیضی دیوان بدرچاچ

دیوان صائب،

(۳) افسانہ وحکایات کے سلسلہ مین لکھتا ہے،

برائے عشرت اندوزی نسخہ طوطی نامہ نخشبی وانوار سہیلی تصنیف مولانا

حسینی واعظ کاشفی وعیار دانش شیخ ابوالفضل وبہار دانش شیخ عنایت اللہ

کہ ہم عبارات غریب وہم حکایات عجیب وفرح افزاے طبائع ست برخواند،

(۴) اسکے بعد تاریخ کا درجہ ہے لکھتا ہے،

وبراے دریافت حقیقت سلاطین پیشین واحوال ممالک، وقواعد وضوابط

سلطنت سیر تاریخ نماید،

اس سلسلہ مین حسب ذیل کتابون کے نام گنائے ہین،

شاہنامہ فردوسی، ظفرنامہ از شرف الدین علی ترمذی متضمن فتوحات

تیموری۔ اکبرنامہ مشتمل براحوال اکبر بادشاہ اقبال نامہ جہانگیری، تاریخ

فیروز شاہی ورزم نامہ ترجمہ مہابھارت،

(۵) اس کے بعد تزکیہ نفس وتصفیہ اخلاق کی ضرورت پڑتی ہے یعنی فن اخلاق

کا مرتبہ آتا ہے چنانچہ اسکے لیے لکھتا ہے،

وبرائے تزکیہ نفس وتصفیہ اخلاق، اخلاق ناصری، اخلاق جلالی مکاتبات

سید شاہ شرف الدین احمد یحیی منیری۔ نزہۃ الارواح، مثنوی مولوی معنوی،

حدیقۂ حکیم ثنائی بمطالعہ در آوردہ،

خاتمہ

سر دست اسلامی عہد حکومت مین ہندوستان کی تعلیمی ترقی کے متعلق جسقدر تاریخی معلومات فراہم ہو سکے وہ یہی تھے۔ مین نے علی العموم اجمال و اختصار سے کام لیا ہے۔ مزید تفصیل و تشریح کی طرف توجہ کیجاے تو پھر دفتر کا دفتر چاہیے جس کے لیے نہ موقع ہے نہ وقت۔ لیکن اس مین کوئی شبہہ نہین کہ مزید توجہ کے بعد یہ قطرہ دریا بن سکتا ہے،

اگرچہ سلسلۂ نطق من گسست اما | چہ گویم اینکہ ہنوزم چہ آرزو باقیست
بجز جرعہ ہمہ اہل بزم بدمستند | لبالب از مے دوشینہ صد سبو باقیست
ورق تمام شد و قصہ ناتمام بماند | شب آخر آمد و صد گونہ گفتگو باقیست